نقش دوام

عدم

انتساب

میں اپنے مجموعۂ کلام کو اردو زبان کے سب سے بڑے ہمدرد اور سرپرست اعلےٰ حضرت میر عثمان علی خاں نظامِ دکن کے مبارک و مسعود نام سے معنون کرتا ہوں۔

عدمؔ

قطعۂ تاریخِ اشاعت

(از وحید المورّخین، حضرت حاجی سرحدی)

نقشِ دوامِ آئینۂ حسنِ زندگی — اسرارِ کائنات کی دلکش مصوّری
دل کی نظر کا ترجمۂ وجد آفریں — احساس کی زباں سے حکایاتِ بیخودی
شعر اور فلسفہ کا ہے اک طرفہ امتزاج — کیا جانفزا ہے زندۂ جاوید شاعری
اردو ادب کو کس نے لگائے ہیں چار چاند — بخشی ہے کس نے شعر کو سورج کی زندگی
دیکھے ہیں یہ مقامِ علم کے کلام میں — کہتے ہیں جنکو عرش گرِ علم و آگہی!

بے ساختہ یہ مصرعِ تاریخ ہو گیا
تابندہ باد نیّرِ لمعاتِ سیّدی

۱۳ ھ ۵۴

فہرستِ مطالب

سطورِ اولین

حسنِ اتفاق سے میرا مجموعۂ کلام بغیر دیباچہ کے شائع ہو رہا ہے۔ دیباچہ میرے عزیز و مکرّم دوست اور ملک کے مشہور ادیب جناب منصور احمد صاحب کو لکھنا تھا لیکن اُنکے اضمحلالِ مزاج اور میری عجلت پسندی کے تصادم سے یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا نگاہِ تعمّق سے مطالعہ کرنیکے لئے انہیں کافی وقت نہ دینا قطعاً نامناسب تھا اور انہیں دیباچہ کیلئے اُنکی خواہش کے مطابق وقت دے کر بیٹھ جانیکا کوئی محل نہ تھا۔ کہ کاپیاں پریس میں چھپ رہی تھیں۔ ادھر مولانا نیاز فتحپوری کی تقریب بھی اُنکی کارفرمائی کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے پیرایۂ اعتذار و اعتراف میں ظہور پذیر ہوئی ہر چند دیباچہ کا رہ جانا اتفاق و حالات پر مبنی ہے لیکن میں خوش ہوں کہ دیباچہ کتاب میں شامل نہ کرنیکا وہ ایک مبہم دستور سا رجحان جو تحت الشعور میں موجود تھا

بروئے کار آ کر ہی رہا۔ دیباچہ نگاری اپنی حقیقی روح و مقصد سے
علیحدہ ہو کر ملک میں اپنی وقعت کھو بیٹھی ہے اور غالباً
اس وقت طویل و مبسوط دیباچوں کو جو بعض اوقات کتاب کے
مواد سے بھی بڑھ جاتے ہیں کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی
اور اہلِ نظر جانتے ہیں کہ جنسِ حقیقی کا حال ذہن و دماغ پہ
اُسی وقت کھلتا ہے جبکہ کتاب کی متاعِ ادبی کا جائزہ
لیا جائے۔ پھر اس فرسودہ و پامال راستے سے الگ ہٹ کر
ایک جدید شاہراہ پر گامزن ہونا کونسا گناہ ہے۔ اور اگر گناہ ہے
تو جدّت طلب اور تنوّع پسند ذوق کی تسکین کیلئے اس لذیذ
گناہ کا نہ کرنا بھی کیا شدید جہالت ہے

دراصل یہ ہماری تساہل پسندی کا ایک فطری خاصہ ہے
کہ جو دستور و قواعد ایک دفعہ مقرر کر دیئے جائیں اُن میں
حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ سے کام لینا ہمارے لئے
نادانستہ طور پر دشوار ہو جاتا ہے۔ درانحالیکہ زندگی کے
قیام و بقا کا خمیر ہی تغیّر و انقلاب سے اٹھایا گیا ہے

آرٹ اور پیغام - آرٹ ہماری زندگی
کا آئینہ ہے۔ اس کے صد رنگ نگار خانے میں ہمارے

ذہنی رجحانات اور خیال و عزم کے غیر فانی مجسّمے ہوتے ہیں تخلیق آرٹ کی روح و رواں ہے وہ بلیغ اور اتھاہ معانی رکھنے والے کنایات جو ایک فن کار اپنے شاہکار میں پیش کرتا ہے۔ ہمارے دل میں بےشمار استفسارات پیدا کرتے ہیں اور ہم اپنے ادراک کے مطابق وہ تفاصیل خود مرتب کر لیتے ہیں جو اُن کنایات سے وابستہ ہیں۔ ایک مصوّر ایک تصویر کھینچتا ہے جسمیں ایک محنت کش مزدور گرمیوں کی دہکتی ہوئی دوپہر میں اپنے مضبوط کندھوں پر بوجھ اٹھائے جادہ پیما ہے۔ اس تصویر کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں عمل کی غیر فانی عظمتوں کے سینکڑوں بلند اور زندگی آموز خیالات پیدا ہوتے ہیں کشمکشِ حیات کی حوصلہ آزما اور کڑی منزل کے مصائب و حوادث کے درمیان سرخروئی، کامیابی اور غیر متزلزل ولولہ و ہمت کے ساتھ بڑھتے چلے جانا زندگی کا نصب العین ہے۔ کردار کی تعمیر کے اس آتشیں حسن کا مشاہدہ ہمارے قلب و روح میں حرارت کی ایک برقی لہر پیدا کر دیتا ہے۔

مناظرِ کائنات کی معنوی کیفیات کے مطالعے
اور زندگی کے وجد انگیز نظریات کی تخلیق کے اثرات
آرٹ میں اجمال و کنایہ سے ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ آرٹ درحقیقت
فن کار کے ذوقِ حسن کا ترجمہ ہے جو اپنے حقیقی روپ میں
اُسی وقت نظر آسکتا ہے جبکہ اُسکی ترکیب میں وہی خطوط اور
رنگ استعمال کیے جائیں جو ناگزیر طور پر لازم ہوں اور کوئی زائد
عنصر اُن میں شامل نہ ہو آرٹ ایک اشارہ ہے اور ایسا اشارہ
جو خیال و ذہن کی وسیع ترین دسترسوں اور مطالب و معانی
کی لامحدود پنہاں کشادگیوں کو محیط ہے۔ آرٹ کا ایسی
غیر ضروری تفاصیل سے کوئی تعلق نہیں جو تخلیقِ حسن کے
منافی ہوں اور جن میں کوئی بلیغ اور رومان خیز تخیل آفرینی
موجود نہ ہو۔ فن کار اپنے شعور و احساس کے بلند ترین مقامات کی مصوری
کرتا ہے اور اسکے نقوش میں ہم اُسی کے ذوق و نگاہ کے رجحانات کا مطالعہ کرتے ہیں
اور اس سے جو نتائج اور اسباق ضمنی طور پر مرتب ہوتے ہیں اُنہیں کو آرٹ کا پیغام
قرار دیا جا سکتا ہے ورنہ یہ کہ کوئی شاعر یا مصور کسی خاص خیال کی
تحریک و تبلیغ کو اپنا نصب العین قرار دے کر اُس کو
اپنی ذہنی کاوشوں کا موضوع بناتا ہے

ایک کج فہم نقاد کے زاویۂ نظر کی طرح بڑھا استدلال
ہے کیونکہ فنونِ لطیفہ کی حقیقی عظمت الہام و تاثر سے وابستہ
ہے جس کا تعلق "آمد" سے ہے نہ کہ "آورد" سے۔ اردو شاعری
میں اسوقت پیغام کی تعیین کا ایک غلط اسکول کھل رہا ہے
وہ شعراء جو اپنا کوئی خاص نظریۂ شعری نہیں رکھتے ذوقِ عام
کے رجحان کا مطالعہ کر کے اسی کی رَو میں بہ جاتے ہیں اور
غیر شعوری طور پر وہ راستہ اختیار کر لیتے ہیں جو سرے سے آرٹ
کے مقصد و مفہوم کے منافی ہو وہ خواہ مخواہ محنت و سرمایہ اور اقتصادیات
کے مسائل کو موضوعِ شعر بناتے ہیں گو اُن کا احساسِ شاعرانہ
محنت و سرمایہ کی آویزش اور اقتصادی بدنظمی کے کسی منظر سے
کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ اُن کی یہ غلط روی اس حقیقت پر
مبنی ہے کہ اُن کے سر میں "کارِ آمد" اور "ٹھوس" شاعری
کرنیکا سودا سما جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امتدادِ زمانہ کے
ساتھ بعض اوقات اُن کی نگاہوں سے اپنی ایسی نظمیں
گر جاتی ہیں جو اُن کے لئے کسی وقت سرمایۂ نازو افتخار
رہ چکی ہیں۔ درانحالیکہ آرٹ کی عظمت وقت اور ماحول کے

حدود سے بالاتر ہے آرٹ زندگی کا ترجمان ہے اور زندگی ہمیشہ نئی اور تازہ ہے۔ کہتے ہیں شاعری ایک جنون ہے یونہی سہی! لیکن اس میں شعرا کے علیحدہ علیحدہ ذاتی خصائص کا نمایاں نہ ہونا ضعفِ جنوں کی علامت ہے، شعرا کو اپنے ذوق و نظر کی ترجمانی کرنی چاہیئے اور خواہ مخواہ بے معنی "درسِ عمل" دینے اور "کوشش کرو، ہمت کرو" کی رٹ لگانے سے احتراز کرنا چاہیئے، کیونکہ اُنکے یہ کارنامے اپنی جگہ کچھ ہوں، شاعری سے اُنکو دُور کا تعلق بھی نہیں اور آرٹ کا مقام اس سطح سے بہت بلند ہے۔

عبدالحمید عدم

اعتذار و اعتراف

(از: مولانا نیاز فتحپوری، ایڈیٹر "نگار" لکھنؤ)



پنجاب کے مشہور نوجوان شاعروں میں یہ خصوصیت غالباً صرف جناب عدمؔ کو حاصل ہے کہ وہ بہت دیر میں منصۂ شہود پر آئے اور بہت جلد لوگوں کے دل و دماغ پر چھا گئے اور یہ اتنی قوی شہادت ان کی شاعرانہ فضیلت کی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ کسی مقدمہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ کسی تقریب و تقریظ کی

جنابِ عدم کا اصرار تھا کہ میں اُن کے مجموعۂ کلام پر اپنی تفصیلی رائے کا اظہار کروں اور یقیناً میں خود بھی چاہتا تھا کہ اِس "حکایتِ حسن و عشق" کو مزے

لمبے سے کر دیر تک بیان کرتا رہوں لیکن افسوس ہے کہ
یہ خدمت اُس وقت میرے سپرد کی گئی جب میں
تقریباً صاحبِ فراش ہوں اور دوسری طرف عدمؔ
صاحب کی یہ عجلت کہ "جو کچھ ہونا ہے ابھی ہو جائے"
اس لئے جو کچھ لکھ رہا ہوں نہ تبصرہ ہے نہ مقدمہ بلکہ
صرف معذرت ہے، کوتاہیٔ وقت اور ناسازیٔ مزاج کی
طرف سے اور شکایت ہے جناب عدمؔ کی عجلت پسندی
کی۔

اس وقت ملک میں شعرا کی تین جماعتیں ہیں۔
ایک وہ جس نے نظم کہنا اپنا شعار بنا لیا ہے، دوسری وہ
جو صرف غزل گوئی پر قانع ہے اور تیسری وہ جو نظم و
غزل دونوں میں طبع آزمائی کرتی ہے، عدمؔ صاحب
اسی تیسری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور حقیقت
یہ ہے کہ وہ نظم و غزل دونوں خوب کہتے ہیں۔
عدمؔ کے کلام کی وہ خصوصیت جس نے مجھے ہمیشہ
متاثر کیا جذبات کی بلندی اور زبان و بیان کی حلاوت

ہے غزل ہو یا نظم وہ ہر چیز کو خاص نظر سے دیکھتے ہیں
اور ایسے خاص انداز میں بیان کرتے ہیں کہ سننے والے
کے لئے یہ امتیاز دشوار ہو جاتا ہے کہ وہ شاعر کے خیال سے
لطف اٹھا رہا ہے یا اس کی زبان سے

بعض کا خیال ہے کہ غزل گوئی نظم سے دشوار ہے بعض
نظم نگاری کو مشکل بتاتے ہیں میرے نزدیک دونوں
مشکل ہیں اگر محض اکتساب کی قوت سے کام لیا جائے
اور دونوں آسان اگر فطرت ساتھ دے لیکن فطرت کا ساتھ
دینا خود اپنی جگہ اتنا دشوار ہے کہ اس وقت ہندوستان
کے ہزاروں شاعروں میں سے مشکل ہی سے چند ایسے
نکلینگے جنہیں ہم فطری شاعر کہہ سکیں۔

عدم صاحب کو فخر کرنا چاہیے کہ ان کی جگہ انہیں فطرتی
شعرا کی صف میں ہے نظمیں مختلف عنوانوں پر لکھی
گئی ہیں اور ہر عنوان کی پوری رعائیت کا انہوں نے لحاظ
رکھا ہے اصل مقصود سے غیر متوازن خیالات انہوں نے
کسی ایک جگہ بھی پیش نہیں کئے اور نظم کی سب سے

بڑی خوبی یہی ہے کہ خیال و زبان دونوں مربوط و مسلسل ہوں۔

اُن کی غزل میں غالبؔ، مومنؔ اور میرؔ تینوں کا رنگ ملا ہوُا ہے اور ظاہر ہے کہ اِس سے زیادہ کامیابی ایک غزل گو شاعر کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ تنگیٔ وقت اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں دیتی، ورنہ جنابِ علامؔ کے کلام کا انتخاب پیش کرکے میں اس اجمال کی تفصیل بھی بیان کرتا اور تمام اُن محاسن پر نگاہ ڈالتا جنہوں نے مجھے اُن کے ذوقِ سخن کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب

دِیا ہے نطق تو پھر نطق کو یوں بیکراں کر دے
سخن کو روح کی گہرائیوں کا ترجماں کر دے

لگا رکھی ہے یہ کیا ہلکی ہلکی آگ سینے میں
عطا کر روح کو تسکین، یا آتش بجاں کر دے

وہ محسوسات کا آتشکدہ کہتے ہیں دل جس کو
ذرا اُس کی حرارت کو محیطِ جسم و جاں کر دے

وہ گہرے راز جو شاعر کے دل پر کھلتے رہتے ہیں
کسی صورت اُنہیں مانوسِ ادراکِ جہاں کر دے

رموزِ زندگی سے آگہی بخشی ہے گر مجھ کو !
تو اُسکے ساتھ تجدیدِ زمین و آسماں کر دے

نہیں حاصل اگر کچھ بھی مرے سوزِ محبت کا
تو اے خلّاقِ دردِ عشق تکمیلِ زیاں کر دے

سراپا درد ہوں اور درد کی قیمت نہیں کچھ بھی
مری محرومیوں کو صرفِ مرگِ رائگاں کر دے

تشہیرِ نگاہ

مری نگاہ کی تشہیر ہے کلام مرا
ہے اِک مرقعِ رُسوائی دوام مرا

جہاں گئیں ہیں نگاہیں گیا ہے دِل بھی مرا
کہ ساتھ ساتھ نظر کے رہا ہے دِل بھی مرا

نظر نے سجدہ کیا ہے تو دِل نے دیکھا ہے
کسی کا نام لیا ہے تو دِل نے دیکھا ہے

کیا ہے آہ مگر ظُلم ناروا دِل نے
سُنا دیا ہے فسانہ نگاہ کا دِل نے

یہ شعر عکس ہیں صد رنگ جلوہ گاہوں کے
نقوشِ پا ہیں مری حُسن بیں نگاہوں کے

ساقی نامہ

اُٹھی ہیں گھنگھور گھٹائیں
اوڑھے ہوئے مستی کی ردائیں

کیف کی لہریں ہیں کہ ہوائیں
بہکی ہوئی ہیں مست فضائیں

چرخ پہ بدلی گھوم رہی ہے
رُوح نشے میں جھوم رہی ہے

مَن میں ترنگیں جاگ اُٹھی ہیں
شوخ اُمنگیں جاگ اُٹھی ہیں

ساقی تیرے نام کے صدقے
تیرے فیضِ عام کے صدقے

تیرے سر کی خیر ہو ساقی
تیرے گھر کی خیر ہو ساقی

مستوں کو اِک جام پلادے
صہبائے گلفام پلادے

لیکن میرے پیارے ساقی
میری آنکھ کے تارے ساقی

مغرب کی مے مجھ کو نہ دینا　　وہ مُہلک شے مجھ کو نہ دینا

میں تو شرابِ حجاز پیونگا　　بادۂ خانہ ساز پیوں گا
جو دل سے ہر خوف مٹادے　　جو دل کو بیباک بنادے
جس کو پی کر لہرا جاؤں　　سیلِ حوادث پر چھا جاؤں
وہ مے جس میں عشق کی جاں ہے　　شعلۂ جاں افروز نہاں ہے
وہ مے جس میں نُورِ یقیں ہے　　وہ مے جس میں عرشِ بریں ہے
روح کو حدّت دینے والی!　　دل کو شجاعت دینے والی
وہ مے جس کا پہلا ساقی　　سارے جہاں کا محسنؐ ہادی
سب سے بڑا انسان ہے ساقی　　(دُنیا کا ایمان ہے ساقیؐ)
اس ساقی کی صہبا لادے!　　ایماں کو پروان چڑھا دے
وہ مے جسکا کیف ہے محکم　　جیسے عمل کی سیف ہے محکم

وہ مے جس کے پینے والے　　یعنی ابد تک جینے والے

موت سے ہنس کر ٹکراتے ہیں　　میدانوں میں اُٹھلاتے ہیں

جنکے چہرے نور بھرے ہیں　　جنکے کاروبار کھرے ہیں

اُنکی بچی بچائی دے دے　　اُنکی رکھی رکھائی دے دے

ساقی تیرے نام کے صدقے　　تیرے فیضِ عام کے صدقے

میں تو شرابِ حجاز پیونگا

بادۂ خانہ ساز پیوں گا

(۲)

اُٹھ اے ساقی نشے میں ڈوب کر مستی سے لہرا کر　　تڑپتی بجلیوں کا خون لا افلاک سے جا کر

ستاروں کی سنہری تابشوں کو جام میں بھر لا　　سرورِ ماہ طلعت بادۂ گلفام میں بھر لا!

اُڑا لا آگ خورشیدِ جہاں افروز کے دل کی　　چُرا لا بزمِ گردوں سے جوانی ماہِ کامل کی!

اُفق کے آتشیں جلووں کو کر تحلیل ساغر میں
فروزاں کر شفق کے نُور کی قندیل ساغر میں

طلسمِ آب و گِل کو مُنتقل کر دے حقیقت میں
بِلا دے حُسنِ رنگا رنگ کو انوارِ وحدت میں

نگاہوں میں مئے عرفاں کا کیفِ سرمدی بھر دے
اُٹھا دے سامنے سے نیلگوں افلاک کے پردے

لباسِ معرفت لا اور پہنا دے مجھے ساقی !
الوہیّت کے میخانے میں پہنچا دے مجھے ساقی

نعرۂ مردانہ

ڈراتے ہو کسے تم صبر پیما امتحانوں سے
بلا کا سامنا ہے کھیل کرنا سخت جانوں سے

بھڑکتی آگ کے شعلوں کی رُوحوں کو جسد دیکر
بنایا ہے خُدا نے مردِ غیرت مند و غیرت ور

تماشا کر چکا کوہِ غم اپنی ناتوانی کا !
کہ تھم سکتا نہیں موّاج دریا زندگانی کا !

سکھایا ہے مجھے فطرت نے جینے کیلئے مرنا
ہُو سے اپنے نخلِ زندگی کی پرورش کرنا

صعوبت کا سمندر میرے استغنا سے واقف ہے
مری ہمت سے میرے جوش بے پروا سے واقف ہے

مروڑی بارہا میں نے کلائی بخت واژوں کی
ہوئیں غیرت سے اکثر مشتعل موجیں جواں خوں کی

مرے سینے میں پس کر رہ گئے پتھر مصائب کے
مری نظروں سے یکدم چھٹ گئے بادل نوائب کے

مری قوت کا غلبہ مشکلوں پر چھا گیا اکثر!
کڑکتی بجلیوں کا حوصلہ خم کھا گیا اکثر!

مزارِ تیرگی ہے روشنی میری نگاہوں کی!
مری آنکھوں نے ظلمت چوس لی تاریک راہوں کی

سناتا ہے مجھے راحت کے نغمے شور طوفاں کا!
گرج ہے بادلوں کی یا ترانہ روحِ انساں کا

جھلکتی ہے مری تسکین شمشیروں کی تابش میں
ملی ہے انگبیں آلام کے تیروں کی بارش میں

وہ ذی ہمت ہوں ہر مشکل میں خود مشکل کشا ہوں میں
مرے رتبے سے تم واقف نہیں شیرِ خدا ہوں میں!



افتتاح

ساغر کو چومتی ہے کرن آفتاب کی
شبنم نہیں، نوا ہے سحر کے رباب کی

ساقی تو اپنی زلفِ جنوں خیز کو جھٹک!
زلفوں میں گم ہے گیت کی، ہے جام کی کھنک
آنکھوں میں ہنس رہی ہے شبِ ماہ کی جھلک
تیرے ہر اک نفس میں مہک ہے گلاب کی

صحنِ چمن میں نکہتِ فانی بھی جاگ اُٹھی
بادِ سحر کی عطر فشانی بھی جاگ اُٹھی

بربط اُٹھا کہ دورِ زماں سازگار ہے

شیشے میں مے ہے، مے کی رگوں میں بہار ہے

ساغر نہیں حیاتِ ابد کا دیار ہے

جاگا ہے آفتاب، جوانی بھی جاگ اُٹھی

تبصرہ

سحر کی طرح خنک اور جانفزا ہو تُم!
کہ اک مجسمۂ نکہت و ضیا ہو تم!!

مرے شباب کی شیریں مست راتوں کا
کوئی سرودِ دل آویز و جاں فزا ہو تُم

گھنی بھویں ہیں تمہاری دراز پلکیں ہیں
کسی حسین مصوّر کی التجا ہو تُم!

تمہارے نازک و باریک لب ہیں پرتوِ مے
طلوعِ ماہ سے پوچھونگا میں کہ کیا ہو تُم

تمہاری آنکھوں سے یوں جھانکتی ہے موسیقی
کہ جیسے جسم کے بربط میں اک نوا ہو تُم

یہ ایک لمحہ تمہارا ہے زندۂ جاوید
اِس ایک لمحے میں آئینۂ بقا ہو تم

اِس ایک لمحے میں آئینۂ بقا ہو تم
اِس ایک لمحے میں دُنیا سے ماوَرا ہو تم

لپٹ رہی ہیں نگاہیں تمہارے قدموں سے
میں کیا بتاؤں تمہیں جانِ من کہ کیا ہو تم

فلسفۂ زندگی

خاک کے سینے سے اُٹھتا ہے بگولا جوش سے
ایک جدائی حرارت، اِک جنونِ نا جوش سے

اور کرا لیتا ہے تسلیم اپنی ہستی کا وقار
خاک کے ذرّوں میں بھی ہے زندگانی کا شرار

ایک قطرہ جھوم کر مستی میں کھا کر پیچ و تاب
سطحِ دریا پر بنا دیتا ہے اِک سیمیں حباب

اِک حباب، اِک ولولہ آرا حبابِ زندگی
ایک ننھا سا، درخشاں آفتابِ زندگی

دیکھنے والے کے دِل میں جس کی عظمت کا خیال
ثبت ہو جاتا ہے بن کر ایک نقشِ لازوال

تُو بھی تعمیر اپنا ایسا لمحۂ جاوید کر دیکھ لے جس میں زمانہ تیری ہستی کا شرر

ہے عمل کے ہر دقیقے میں ثباتِ جاوداں
شوکتِ یک لمحہ بھی ہے اِک حیاتِ جاوداں

محبّت کا گیت

تمہارے روح میں گھُلتے ہوئے پیکر کی زیبائی شباب و شعر میں ڈوبی ہوئی صُورت کی رعنائی!
نِگاہوں کی جواں انگڑائیاں، باتوں کی شیرینی تبسّم کے جلو میں چاندنی راتوں کی شیرینی!
سُبک رفتار، ملہت بیز سانسوں کی فسوں کاری نفس کے تار میں اُلجھی ہوئی جاں بخش موسیقی!
مرے روشن خیالوں کے یہ وجد انگیز عنصر ہیں جہاں آوارہ رہتا ہے مرا دل یہ وہ منظر ہیں!

تصوّر میں حقیقت کی رمق کا جلوہ گر ہونا نہیں مُمکن تو کیا ہے میرا اپنے آپ سے کھونا

مرے جذبات کی گہرائیوں میں درد کس کا ہے
مری وحشت، مری بڑھتی ہوئی وارفتگی کیا ہے

میں خود گم ہو گیا ہوں اپنے نورانی خیالوں میں
محبّت جلوہ گر ہے میرے نورانی خیالوں میں!

منوّر ہے مری دنیا تمہارے روئے روشن سے
تمہاری سانس میں ہوتی ہے میرے دل کی دھڑکن ہے

مرے روشن خیالوں میں محبّت کا اُجالا ہے
مری دنیا کو تم نے نور کے سانچے میں ڈھالا ہے

عناصرِ داستاں

مرے فسانۂ وارستگی کی جاں ہو تم
میں داستان ہوں، خلّاقِ داستاں ہو تم

یہ داستانِ محبّت جو چھیڑ بیٹھے ہو!
خبر بھی ہے کہ خود اس داستاں کی جاں ہو تم

مجھے مٹا دینے کو کام ہے تمہیں شب و روز
مری تباہی سے ہرچند شادماں ہو تم

معاملاتِ محبت کو کھیل مت سمجھو — کہ کچھ بھی ہو مگر اب میرے ہم عناں ہو تم

تمہارے حسن کی فطرت کا آئینہ ہو نہیں — مرے جنوں کی حقیقت کے ترجماں ہو تم

حریمِ روح میں ہے چاندنی سی پھیلی ہوئی — مرے حواس میں مانندِ پونہاں ہو تم

مرے خیال کی رعنائیوں کا مرکز ہو — مری نگاہ کا اک خوابِ نوجواں ہو تم

جدھر نگاہ اٹھاتا ہوں دیکھتا ہوں تمہیں — مری نگاہ کے پردوں میں ضو فشاں ہو تم

مری بہار و خزاں ہے تمہارے ہاتھوں میں — کہ قدرتاً مری قسمت پہ حکمراں ہو تم

یمِ حیات کے کس گھاٹ اتارنا ہے مجھے

مرے سفینۂ دل کے سفینہ راں ہو تم

خمیازہ

بڑی اُمنگ سے چھیڑا تھا تُم نے ساز مرا
بڑے مزے سے سُنا نغمۂ نیاز مرا

عجیب شَے تھی مگر سادگی محبت کی!
کہاں ہے آہ وہ ناآگہی محبت کی

خبر نہ تھی تمہیں انجامِ کار کیا ہو گا
مآلِ جرأتِ بے اختیار کیا ہو گا

اب اجتناب ہے تُم کو مری محبت سے
گریز کرتے ہو تُم میرے دل کی وحشت سے

ہُوا ہے یُوں بھی کبھی جانِ من زمانے میں
یہ رنگ بھی ہے وفا کے کسی فسانے میں!

یہ ربط ہائے دلِ آویز جاودانی ہیں!
تعلقاتِ محبت کے غیر فانی ہیں!

فنا پذیر نہیں التہابِ عشق مرا!!
خموش ہو نہیں سکتا ربابِ عشق مرا

یہ ساز چھیڑ دیا ہے تو اب سُنو اس کو
نہیں طلب نہ سہی بے سبب سُنو اس کو

رنگ و نور

رنگوں کے جلو میں برق کی رَو اور برق کی رَو میں مستی ہے
اے حُسن و جوانی کے پیکر، ہستی بھی تری کیا ہستی ہے

ہر سانس میں ہے اندازِ جنوں، با وصفِ سرور و کیفِ فزوں
یا ٹھنڈی ہوا کی موجوں میں آمیزشِ نکہت و مستی ہے

رفتار وہ جس میں غلطاں ہے گھنگھور گھٹاؤں کا موسم
گفتار وہ جس سے تھم تھم کر صہبا کی روح برستی ہے

اعضا کی لچک میں ہنستی ہے رہ رہ کے نزاکت کلیوں کی
کلیوں کی نزاکت رہ رہ کر اعضا کی لچک میں ہنستی ہے

غنچے سے چٹکتے ہیں پیہم ادراک کے نازک شیشے میں
ہے تیری نظر اے جانِ عدم یا شعر و ادب کی بستی ہے

ابرِ کرم سے خطاب

کس مقدّس میکدے سے جھوم کر نکلا ہے تو
کونسی گنگا کی چوکھٹ چوم کر نکلا ہے تو!

آ رہا ہے کس ادا سے کیف برساتا ہوا!
ایک پرچم کی طرح بیتاب، لہراتا ہوا!

غرق ہے کس کیفِ روحانی میں اے ابرِ کرم
محو ہے کس فکرِ نورانی میں اے ابرِ کرم

ڈھونڈ کوئی پاک دُنیا اپنی اُلفت کیلئے
مُنتخب کر وہ زمیں بارانِ رحمت کیلئے

جس جگہ بھٹکی ہوئی انسانیت آباد ہو!
جس جگہ انسان کا ٹوٹا ہوا دل شاد ہو!

یہ جہنم زار اِس الطاف کے قابل نہیں
رحمتوں کی جس پہ بارش ہو یہ وہ منزل نہیں

یہ درندوں کا جہاں، یہ وحشیوں کی کائنات
خُون آشاموں کی بستی غاصبوں کی کائنات

جس جگہ مذہب فروشی کا لقب ہے رہبری
جس جگہ ہے کارفرما زُہد کی جادوگری

پنڈلیوں تک خرقۂ زہد و ورع آیا ہوا
اور آنکھوں میں رعونت کا نشہ چھایا ہوا

داڑھیوں میں معصیت کی تیرگی گوندھی ہوئی
راہبانہ شکل و صورت حرص میں ڈوبی ہوئی

معصیت کوشی کے پیکر، نفسِ سرکش کے مُرید
خُلد کے تاجر، خُدا کو بیچنے والے پلید!

آہ یہ دُنیا جہاں خوفِ خدا کوئی نہیں
فاقہ کش مزدور کے خوں کی بہا کوئی نہیں

جس جگہ سرمایہ داری کا لقب تہذیب ہے
جس جگہ کتّوں کی عف عف خطبۂ تادیب ہے

رات بیخوابی سے کٹتی ہے جہاں انسان کی
گل رہی ہیں ہڈیاں انصاف کی ایمان کی

اس زمیں پر سانپ اور اژدر برسنے چاہئیں
برق گرنی چاہیئے پتھر برسنے چاہئیں

مسرّت

آ رہی ہے تجھے ہنسی ساقی
مسکراتی ہے یا خوشی ساقی!

پھول ہنستے ہیں تیری زلفوں میں
جام ہنستا ہے تیرے ہاتھوں میں

ہنس رہی ہے شراب شیشے میں
پرتوِ ماہتاب شیشے میں ! !

مے کی ہر بوند کھلکھلاتی ہے
بوئے عنبر بھی مسکراتی ہے

شوخ نظریں ہیں کچھ عجب ڈھب پر
ہے تبسّم نگاہ کے لب پر !

کھلکھلاتا ہے صحنِ گلشن سب
خندہ زن ہے چمن کا جوبن سب

آج مدّت کے بعد اے ساقی
ہنس رہی ہے ہر ایک شے ساقی

دل میں کب یہ خوشی سماتی ہے
بے تکلّف ہنسی سی آتی ہے

وقت بھی چھوڑ کر متانت کو
تھام کر دامن مسرّت کو !

ہنس رہا ہے عجیب وحشت سے
قہقہہ آفریں ظرافت سے !

تیری چشمِ کرم سے نشہ پاکر
میرا دل بھی ہنستا ہے لہرا کر

عزم

میں اپنے ساز کی موسیقی میں خود بھی گُم ہو جاؤنگا!
کیا جانے آپ کہاں ہونگا، جب تم کو گیت سناؤنگا

گیتوں کے بھنور میں پھنس جائیگی آپکے دل کی کشتی بھی
میں اپنی روح کے ربط سے ایسے طوفان اُٹھاؤنگا

دیوانہ و وحشی ہوں یعنی، توقیرِ جنوں ہے فرض میرا
میں اپنی جان گنواؤں گا اور عشق کی خیر مناؤں گا!

میں اپنی روح کے طیّارے میں بیٹھ کے اِک دن چُپکے سے
اِس حرص و ہوا کی بستی سے اُس دیس کی جانب جاؤنگا

تم میری روح کے تاروں کو چھیڑو تو سہی، دیکھو تو سہی
گیتوں کا بگولا سا بن کر تا عرشِ بریں اُڑ جاؤں گا

میں عشق کا پروردہ ہوں عالم ہر عزم مرا لافانی ہے!
میں موت سے کیا خم کھاؤں گا میں موت پہ بھی چھا جاؤنگا

تجدیدِ نشاط

بیٹھا ہوں مست ساغرِ صہبا پیے ہوئے — لمحاتِ زندگی کو درخشاں کئے ہوئے
ساقی ملا کے مے میں بہار اور چاندنی! — آ جا شباب ساغر و مینا لئے ہوئے
زلفوں کو کھول دے کے فسانے بکھیر دے — تخلیقِ حسن و نغمہ و روماں کئے ہوئے
مدت ہوئی ہے حسبِ تمنا جیئے ہوئے — عرصہ ہوا ہے دادِ جوانی دیئے ہوئے
وہ دیکھ اُٹھا ہے ابر سرِ کوہسار سے — خوابوں کے جال فرو دُھندلکے لئے ہوئے
مخمورِ راگنی کے جنوں خیز برگ و ساز — رنگین لغزشوں کے فسانے لئے ہوئے
ہر ربط چراغ، نکہت مے، عنبر و عبیر — ہر برگ و سازِ حسن و جوانی لئے ہوئے

موجِ نسیم کان میں کچھ کہنے آئی ہے — اُمڈی ہوئی گھٹاؤں کا ایما لیے ہوئے

ساقی چھڑک شراب مِری ہر اُمنگ پر — ہر خام وسوسے کو پشیماں کیے ہوئے

تیرے کرم سے آج تو واپس میں پھیر دوں

وہ غم مجھے زمانے نے جو ہیں دیے ہوئے

آگہی

ہمنشیں ہر انکشافِ تازہ ہے اِک رازِ نَو — یعنی ہر انجام میں پنہاں ہے اِک آغازِ نَو

ہر حقیقت سے شناسائی کا یہ مفہوم ہے — اِک حقیقت اور ابھی اظہار سے محروم ہے

عقل کی تسکیں کسی تدبیر سے ہوتی نہیں — سیریٔ اوہام کی تعمیر سے ہوتی نہیں !

ٹوٹتے رہتے ہیں عقلوں کے فرومایہ حباب — زیست کے رازوں کا دریا ہے حجاب اندر حجاب

اپنی حیرانی کی خود اِک داستاں ہے آگہی ! — یعنی استفسارِ دائم کی زباں ہے آگہی !

دریا اور شاعر

دوپہر کا وقت ہے ارض و سما خاموش ہیں — جانور بھی دامنِ اشجار میں روپوش ہیں
زندگی کے مشغلوں میں ایک وقفہ آگیا! — یک بیک معمورۂ عالم پہ سکتہ چھا گیا!!
جھلملاتا ہے فضاؤں میں خموشی کا فسوں — چونک اُٹھی ہی شورشوں کی بزم میں روحِ سکوں
بہہ رہا ہے کتنی بیتابی سے دریائے جمیل — کسقدر شفاف ہیں قطروں کی دُنیائے جمیل
کر رہا ہے رقصِ نورانی شعاعوں کا جمال! — جلوہ گر ہیں عالمِ امکاں میں شاعر کے خیال
کیا حیات آموز ہے لہروں کا جوشِ اضطراب — بج رہا ہے محفلِ دریا میں وحشت کا رباب
یک بیک اُٹھتی ہے اِک موجِ نوائے دلنشیں — جذب ہو جاتا ہے دِل میں جس کا حُسنِ آتشیں!
بولتی ہے روحِ دریا اے پریشانِ خیال — ڈھونڈتی ہی فکر جسکی ہر فسانے کا مآل!!
آشنا ہیں تیرے محسوسات رازِ زیست سے — گرم ہے کیا تیرا سینہ بھی گدازِ زیست سے
کھول مجھ پر بھی ذرا اِنساں کی ہستی کے رموز — مجھ سے بیگانہ نہیں اب تک ذوقِ مستی کے رموز

بے بہا ہے زندگی کا ایک اِک لمحہ مگر!	دیکھ انساں سو رہا ہے دو جہاں سے بے خبر

کچھ بتا مجھ کو بشر کو کس طرح آتی ہے نیند!
محوِ حیرت ہوں کہ زندوں پر بھی چھا جاتی ہے نیند

دِل تڑپ اُٹھتا ہے اِس غیبی نوا کے سوز سے	بجلیاں گرتی ہیں آوازِ جنوں افروز سے
آتشیں جذبات سے اُٹھتا ہے حسرت کا دُھواں	اور زبانِ قلب یوں ہوتی ہے مصروفِ فغاں
اے کہ تیرا پیکرِ سیمیں ہے سرشارِ حیات	مُسکراتے ہیں ترے دامن میں انوارِ حیات
عشرتِ دائم سے مالا مال ہے محفل تری!	اِس زمیں پر جنّتِ سیّال ہے محفل تری!
سبزہ زاروں کی بہاریں تجھ پہ ہوتی ہیں نثار	تجھ پہ برساتی ہے رنگ و نور شام پُر بہار!
چومتی ہے تیری پیشانی کو صبحِ مہ جبیں	طائروں کا میکدہ ہے تیری سطحِ مرمریں
رات کو بجتے ہیں گردوں پر ستاروں کے رباب	ڈالتا ہے عکس تیرے دِل میں جامِ ماہتاب
سر خوشی سے جگمگاتے ہیں ترے دن اور رات	تو سمجھتا ہے کہ نغمہ زار ہے بزمِ حیات

تجھ کو اپنی رنگ رلیوں سے نہیں حاصل فراغ
تجھ کو کیا معلوم انسانوں کے دل ہیں داغ داغ

بند ابھی ہوتی نہیں میرے تخیّل کی زباں!
تلملا اُٹھتی ہے دریا کی سماعت ناگہاں!

ایک مُبہم گونج سی ہوتی ہے پیدا روح میں
کھنچ کے آجاتا ہے سوزِ قلبِ دریا روح میں!

گوشِ دل میں یہ ندا آتی ہے، اے کوتہ نظر
تو سمجھتا ہے کہ میں ہوں سوزِ غم سے بے خبر

دیکھ چشمِ غور سے موجوں کے سینے چیر کر
صاف آئینگے نظر تجھ کو مرے داغِ جگر

میری رگ رگ میں ہے مُضمر آتشِ غم کا شرار
سینکڑوں مجروح اُمیدیں ہیں دل میں اشکبار

پھاڑ دیتا ہے گریبانِ سحر شب کا جنوں!
صبح پی جاتی ہے میرے سامنے تاروں کا خوں!

کھُر کے دانتوں سے واقف ہے مرا جسمِ فگار!
دیکھ زخموں کے نشاں ہونگے ابھی تک آشکار

رات کی دلدوز تاریکی کا وحشی ارتعاش!
جس سے ہو جاتا ہے اطمینان کا دل پاش پاش!

تھرتھراتا ہے ابھی تک ذہن میں اُسکا خیال
کسقدر وحشت فزا ہے دیو ظلمت کا جلال

گونجتی ہے میرے کانوں میں صدائے برق و باد
کون کر سکتا ہے فطرت کے جنوں کا انسداد

گو مرے سینے میں جذباتِ حزیں کا جوش ہے
قطرے قطرے میں جہنم کی تپش روپوش ہے

ایک لمحہ عمر کا پھر بھی نہیں وقفِ ملال!
دیکھ میری فطرتِ آزاد میں شانِ کمال!

زندگی کا راز کیا ہے؟ نبضِ ہمت کی دھمک
گو کلیجہ شق ہو، لب پر ہو تبسم کی جھلک

فن کار

نہ جا ان بے سروسامان انسانوں کی حالت پر
کہ سر دھنتی ہیں عقلیں دو جہاں کی انکی وحشت پر

فروتر ہے جہاں کی ہر بلندی ان کی رفعت سے
ازل سے مانگتا ہے بھیک وقت انکی لیاقت سے

ہیں اِن کی اُنگلیوں پر حال روشن نبضِ قدرت کے
جھکے رہتے ہیں اِن کے پاؤں پر اسرار فطرت کے
یہ وہ ہیں خندہ زن خوفِ فنا پر جن کی ہستی ہے
حیاتِ جاوداں اِن کے تعارف کو ترستی ہے

مُصوّر کا نظریّہ

رنگوں کو چاندنی میں ملایا ہے بار ہا
اور پیکرِ بہار بنایا ہے بار ہا !

نغموں کے اہتزاز کی تصویر کھینچ کر
موسیقیوں کا رقص دکھایا ہے بار ہا

پیدا ہوئی ہے بربطِ دل میں جو راگنی
رنگوں کی لَے میں اُس کو سنایا ہے بار ہا

ساکت مجسّموں کو عطا کی ہے زندگی
تخلیق کا کمال دِکھایا ہے بار ہا

ٹپکی ہے مو قلم سے مری دقّتِ نظر
روحوں کو بے حجاب دکھایا ہے بار ہا

راتوں کو اپنے ذہن کی تنویر کیلئے
اِدراک کا چراغ جلایا ہے بارہا !

ہر نازک و لطیف تاثر کو اے ندیم
صورت پذیر کر کے دِکھایا ہے بارہا

ملتی نہیں ہے تھاہ مگر اپنے ذوق کی
گو دِل کی تشنگی کو بجھایا ہے بارہا

فنِّ لطیف کوئی بھی ہو نا تمام ہے
اور نا تمامیوں سے ہی اس کو دوام ہے

مجبوری

موجِ دریا اُڑ کے تاروں تک پہنچ سکتی نہیں
آسماں کے جلوہ زاروں تک پہنچ سکتی نہیں !

اور ستارے اپنی رفعت سے اُتر سکتے نہیں
جوئباروں سے لپٹ کر رقص کر سکتے نہیں !

دشت دریا کی طرح طوفاں اُٹھا سکتے نہیں
اور دریا بحر کا نغمہ سُنا سکتے نہیں

بحر حسبِ آرزو انگڑائی لے سکتا نہیں
اور گرجتے بادلوں کا ساتھ دے سکتا نہیں

بجلیاں قوسِ قزح کو جذب کر سکتی نہیں
اپنے نورانی جسد میں رنگ بھر سکتی نہیں

شمع کے دل میں ہے ذوقِ گفتگو محشر طراز
انکشافِ دردِ دل کی آرزو محشر طراز

آسماں آتش بجاں ہے لب ہلانے کیلئے
عہدِ پارینہ کے افسانے سُنانے کے لئے

اور زمیں بیتاب ہے پہلو بدلنے کے لئے
مدتوں کے رازِ سربستہ اُگلنے کے لئے

الغرض ہر روح میں اک بیکلی ہے صبح و شام
ایک سوزِ نامکمل ایک دردِ ناتمام

بے بسی کا دام ایسا ہے کہ کٹ سکتا نہیں
سنگِ مجبوری رہِ ہستی سے ہٹ سکتا نہیں!

معذرت

اگرچہ ختم اب ہر امتحاں ہے
وہ مجھ سے ملتفت ہے مہرباں ہے

مگر دل کے نہفتہ غم ہیں زندہ

میں کیسے بدگماں دل کو مناؤں   میں اُسکے سامنے کس مُنہ سے جاؤں
کہ اُس بے مہر کی خاطر جہاں میں   رہا ہوں مُبتلا رنج گراں میں
بڑی رسوائیاں دیکھی ہیں میں نے

وہ مجھ سے بات اگر کوئی کرے گا   مرے دل کی خوشی کا دم بھریگا
تو میں خاموش اور ساکت رہونگا   نہ کچھ بھی اُسکی محفل میں کہونگا
نہ لے جا مجھ کو اُس کی انجمن میں

مرا مقصودِ اُلفت ہے وہ اب بھی   مرا معبودِ اُلفت ہے وہ اب بھی!
میں اُس سے دُور ہی لیکن رہونگا

کہ میری روح میں ایسا خلا ہے   جو پُر ہونے سے شاید ماورا ہے
نہیں ہے بولنے کا مجھ کو یارا!   کہ میرا دل ہے غم سے پارا پارا
خموشی بن گئی ہے اب مری خُو
مری آواز میں پنہاں ہیں آنسو

ایک دِن

نظر آتی نہیں آوارہ گھٹائیں آسمانوں پر
خموشی کا فسوں چھایا ہوا ہے بوستانوں پر

سُہانی دھوپ کا اک سیلِ فرحت خیز جاری ہے
مناظر جگمگاتے ہیں، نظر پر کیف طاری ہے

پرندے تیرتے پھرتے ہیں مستانہ ہواؤں میں
مسّرت جھومتی ہے جنگی جاں پرور اداؤں میں

درختوں کا گھنا سایہ ہے، دریا کا کنارا ہے
نگاہوں میں ترنّم آفریں موجوں کا دھارا ہے

ہوائیں گنگناتی ہیں، فضائیں لہلہاتی ہیں
درخشاں وادیاں مشتاق آنکھوں میں سماتی ہیں

فلک ساکت ہے نظّارے کی محویّت طرازی سے
حسین فطرت کی پُر افسوں کشش سے دلنوازی سے

فسونِ زندگی لرزاں ہے دلکش سبزہ زاروں میں
بہارِ حُرّیتِ رقصاں ہے رنگیں جلوہ زاروں میں

یہ منظر رُوح کو مسرور، دل کو شاد کرتے ہیں!
بشر کے ذہن کو افکار سے آزاد کرتے ہیں

تسلسل

کبھی تھے اِسطرح شیر و شکر ہم آپس میں
میں اُنکے بس میں تھا اُے دوست وہ مرے بس میں
اُنہیں مجسّمۂ صدق جانتا تھا میں !
اور اُن کی بات کو الہام مانتا تھا میں !
مری نگاہ کا معبد تھے بام و در اُنکے
علے الصّباح میں جاتا تھا روز گھر اُنکے
وہ مجھ کو دِل سے، تہِ دل سے پیار کرتے تھے
بڑی لگن سے مِرا انتظار کرتے تھے !!

پر اتفاق سے برہم وہ سب نظام ہوا
اُس ابتدائے محبت کا اختتام ہوا !!
دِلوں میں مَیل سی کچھ رفتہ رفتہ آ ہی گئی !!
خلوص و صدق کو اک بدظنی سی کھا ہی گئی !
کہاں وہ جوشِ محبت کہاں وہ پیار ندیم
ہے اب یہ حال کہ مِلنا تو درکنار ندیم !
نہیں ہے ذکر بھی اِک دوسرے کا ہم کو پسند

میں سوچتا ہوں وہ پہلی محبتوں کا عروج
اور اُسکے بعد المناک نفرتوں کا عروج !

تو دل کو چوٹ سی لگتی ہے رنج ہوتا ہے
کہ جیسے رُوح میں نشتر کوئی چبھوتا ہے

وفورِ غم سے مری کچھ عجیب حالت ہے
کہ اُن سے اب مرے مجروح دل کو نفرت ہے

نہ کس لئے ہو کہ فطرت کا یہ تقاضا ہے !!!
پر اب بھی آکے اگر کوئی یہ ستاتا ہے

علیل ہیں وہ طبیعت ہے مضمحل اُن کی
تو بھول جاتا ہے سب بے وفائی دل اُن کی

میں سوچتا ہوں عیادت کے واسطے جاؤں
اک اجنبی کی طرح جاکے حال پوچھ آؤں

یہ سوچتے ہی مگر پھر خیال آتا ہے !!!
جو میرے عزم کو اک ٹھیس سی لگاتا ہے

ہے دل اگرچہ سراپا اُداس، کیوں جاؤں
میں اُس عدوئے محبّت کے پاس کیوں جاؤں

وقت کا راگ

جب سے میں نے آنکھ کھولی ہے فضائے دہر میں

ایک لافانی سفر در پیش ہے شام و سحر!

جا رہا ہوں اپنے مقصودِ سفر سے بے خبر

اور بھی ہیں قافلے میری طرح گرمِ سفر

ہیں ستارے بھی رواں اپنے دیاروں کی طرف!

گم شدہ ارضِ وطن کے خلد زاروں کی طرف!

اور انساں بھی ہیں ذوقِ جستجو سے بیقرار

تھک کے گو رستے میں گہری نیند سو جاتے ہیں یہ

موت کے خاموش ویرانے میں کھو جاتے ہیں یہ

آہ انساں یہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ وقت ہے

اور مری تابِ سفر ہے اُن کے دم سے برقرار
(گو مرے دامن پہ آسودہ ہے صدیوں کا غبار)

ہے اُمیدوں کے اُفق پر دائمی طلعت کا نور!
موت کے جھونکوں سے بُجھ جاتے ہیں روحوں کے شرار
پھر مگر ہوتے ہیں شُعلے زندگی کے آشکار!

ہو اگر مجھ کو نہ انسانوں کی ہمراہی نصیب!!
دل شکن مایوسیوں سے مضمحل ہو جاؤں میں!
بیدلی کے کیفِ مرگ آموز میں کھو جاؤں میں
اور مِل جائے مری ہستی سراسر خاک میں!!

بزمِ ہستی میں حوادث کا گزر کوئی نہ ہو ! !

زندگی کوئی نہ ہو، شام و سحر کوئی نہ ہو !

فریبِ محبّت

خبر نہ تھی کہ محبّت بھی ایک دھوکہ ہے

یہ جانفروز حقیقت بھی ایک دھوکہ ہے

مگر یہ کر دیا ثابت ترے تغافل نے ! !

مجھے فریب دیا تھا مرے تجاہل نے ! !

بس ایک آس تھی جینے کی وہ بھی ٹوٹ گئی

وفات پا گیا دِل، نبضِ عشق چھوٹ گئی !

ریزۂ آفتاب

ذرّے کے فسردہ پیکر سے، اِک نُور ابلتا آتا ہے
زرپاش، سنہرے رنگوں کا طوفان اُچھلتا آتا ہے

گذرے ہوئے زرّیں لمحوں نے، پھر نیند سے آنکھیں کھولی ہیں
ذرّے میں جو کرنیں چُھپ بیٹھی تھیں، نور کی بولی بولی ہیں

تاریک حقائق پر سورج نے، نور کا پانی چھڑکا ہے!!
ذرّے کی حقیقت جاگی ہے، ذرّے کا فسانہ جاگا ہے

یہ مہر کی آنکھوں کا تارا، چونکا ہے، ہوش میں آیا ہے
احساس کی برقی حدّت سے لہرا کر، جوش میں آیا ہے

تم دل کی نگاہوں سے دیکھو، اس میں جو تجلّی رہتی ہے
ڈوبا ہوا سورج ہے جسکو یہ دُنیا ذرّہ کہتی ہے!!

سمندر اور آسماں

آسماں سے بحر نے پوچھا تو کیوں خاموش ہے
کس تحیّر میں ہے گم، کس خواب میں مدہوش ہے

دیکھ مجھ کو، ہے مری ہر موج طوفانِ حیات
روح میں کتنی تڑپ ہے، دل میں کتنا جوش ہے

آسماں نے مسکراہٹ سے دیا اُس کو جواب
اے سمندر! تجھکو اپنی ذات کا بس ہوش ہے

میں ازل سے ہی شعورِ ذات سے محروم ہوں!
دیکھ کر بزمِ جہاں کے حادثے مغموم ہوں

طنزِ کامیاب

قہقہوں کی گونج، نغموں کا تلاطم، کیف و نُور
زینتیں، جنّت کا پرتو، شادمانی کا سرور

ہر نفس میں نکہتوں کا ایک ہلکا سا گداز
روح کی گہرائیوں میں عشرتوں کا سوز و ساز

حسن، رعنائی، حلاوت، نوعروسانہ بہار — عیش، برنائی، مسرت، موجِ کوثر کا خمار

عشرتوں کی چھاؤں میں دھندلا سا نورِ ماہتاب — طلعتوں کے سائے میں راتوں کی شیرینی کا خواب

اِک ملائم نرم رَو، دلکش صباحت کا سہاگ — خود فراموشی، نشاطِ روح، مستی، رنگ، راگ

رس بھری انگڑائیوں میں جوئباروں کی لچک — انکھڑیوں میں چاندنی جیسے ستاروں میں چمک

آرزوؤں کی سنہری رَو، تمناؤں کے پھول — انبساط و کامرانی کے درخشندہ اصول!!

زندگی کے راستوں پر کہکشاؤں کا جمال! — نغمے برساتا ہوا ہر گام پر سازِ خیال!!

خلد کی اِک دلربا تصویر، لیکن بے ثبات! — یعنی کچھ رنگین خوابوں کی طلسمی کائنات!

آہ گو کچھ دن کا تو مہماں ہے، اے عہدِ شباب
گردشِ ایّام پہ ہے ایک طنزِ کامیاب

تعبیرات

تیرے پندار میں جو، ہستیٔ پروانہ ہے!
اصل میں عشق کی اِک لغزشِ مستانہ ہے
شمع کیا؟ بادۂ تحقیق کا پیمانہ ہے!

خواب اِک ہوش کا بکھرا ہُوا شیرازہ ہے
نیند پیغام برِ زندگیٔ تازہ ہے!!
وہم کہتے ہیں جسے علم کا خمیازہ ہے

رنگ کیا ہے فقط ادراکِ نظر کا مفہوم
اور نظر کیا ہے بس ایقانِ نمودِ موہوم
ایک دھوکہ ہے حقیقت نہیں جس کی معلوم

اصلِ جنت کو سمجھنے کی لیاقت ہے بہشت
یعنی عرفانِ حقیقت کی مسرت ہے بہشت
الغرض روح کی تسکین سے عبارت ہے بہشت

انحرافِ روشِ صدق وصفا دوزخ ہے!
دل کی تسکین ہو غارت یہ بڑا دوزخ ہے
اپنی ذلّت کا یقیں سب سے بڑا دوزخ ہے

روحِ انسان کی تسکین کا ہے اِک ایما
روح باقی ہے کہ فانی نہیں اس سے جھگڑا
تو فقط دیکھ تخیّل ہے یہ کتنا پیارا

منزلِ یقیں

حُسن و نکہت سے بھری جاں بخش و دلکش وادیاں
برف کے ٹیلے، شفق کے رنگ، حیرت زا سماں !

بادلوں کے سائے، مستانہ ہواؤں کا خرام !
پُرفسوں دُھندلا ہٹیں، گہری خموشی، وقتِ شام

راحت و آرام کا پرتو، طرب افزا سماں
سبزہ میداں، صاف رستے، اور سہانی گھاٹیاں

برف کے ٹیلوں پہ خاموشی کے گیتوں کی بہار
بج رہا ہے عظمتِ قدرت کے رازوں کا ستار

نور کے یہ تخت کیا بارعب ہیں، کیا باوقار
بارگاہیں ہیں یہ جن کی ہیں کہاں وہ تاجدار

آسمانی دیوتاؤں کے یہ مسند تو نہیں ! !
یہ چٹانیں اصل میں قدرت کے معبد تو نہیں !

بارشِ تقدیس ہوتی ہے یہاں جذبات پر
روح کو تسکین کا پیغام دیتی ہے نظر

وادیٔ کہسار کیا ہے؟ ایک حیرت گاہ ہے!
حُسن کے صد رنگ جلوؤں کی زیارت گاہ ہے

نُور کے یہ قصر کس خلّاق کے ہیں شاہکار ؟
کس مصوّر کے کمالِ فن کے ہیں آئینہ دار !

اِس جگہ محسوس ہوتا ہے خدا بھی ہے کوئی!

عقل کی گمراہیوں کا منتہا بھی ہے کوئی!

غمِ محبّت

(ایک مجسّمہ)

سنگِ مرمر کا ایک پیکر ہے

غیر فانی شباب کا پیکر   کسی شاعر کے خواب کا پیکر

لب ہیں بیحد حسین و دل آویز   پتلے پتلے گداز سے لبریز!

آہ لیکن گداز خفتہ ہے!   نوجوانی کا راز خفتہ ہے!

چاندنی سے بنی ہوئی بانہیں   خوبصورت بھری ہوئی بانہیں

خلدِ یکسر ابھار سینے کا!   نوجواں پُر بہار سینے کا!

بیضوی رُخ ہے چاند سا ماتھا　　جس پہ قربان نور کا تڑکا!

پنڈلیوں سے بہار لپٹی ہے　　طلعتِ سحر کا ر لپٹی ہے

ہے یہ صورت، دراز پلکوں کی　　جیسے جھکی ہوئی ہوں کلیاں سی

آہ لیکن حسین آنکھوں میں　　پاک عفّت بھری نگاہوں میں

آنسوؤں کا عمیق پرتو ہے　　ایک پنہاں گداز کی ضو ہے

کسی فرقت نصیب بُت گر نے　　کسی حسرت نصیب بُت گر نے

اِس حسین و جمیل مورت میں　؛　پیکرِ مرمریں کی صورت میں

اپنے جذبات کو چھپایا ہے

اَبدی غم کا راگ گایا ہے

فلسفی سے خطاب

تو فلسفی ہے، تو ہے کائنات کا نبّاض
نکاتِ عقل کا مخزن ہے تیرے دل کی بیاض!

ترے دماغ کو باریک مسئلوں پہ عبور
ادق رموز سے واقف ترا بلیغ شعور

بجا کہ روح کے اجزا کا علم ہے تجھ کو!
عناصرِ یم و صحرا کا علم ہے تجھ کو!!

فلک کو حدِّ نظر کا لقب دیا تو نے!!!
ہر ایک عقدۂ مشکل کو وا کیا تو نے!!

ہے ترجمانِ حقائق تری نگاہِ رسا
خرد کی آخری حد ہے ہر انکشاف ترا!!

ہے وہم تیرے تجسّس کی سب زمانے میں
کہ علم و عقل کی جاں ہے ترے فسانے میں

غرض دماغ کے جوہر نکالتا ہے تو!!
خدا کی ذات پہ تنقید کر رہا ہے تو!

بجا کہ خالقِ بزمِ شہود کوئی نہیں!
درست ہے کہ خدا کا وجود کوئی نہیں!

مگر بہ ایں ہمہ تسکینِ روح و راحتِ دل
ترے حواس پہ طاری ہے کیسی وحشتِ دل

خدا نہیں تو خدا کی تلاش کیوں ہے تجھے
یہ کس طرح کا فراست شکن جنوں ہے تجھے!

ہے ایک "شعر" اگر ساری آگہی میری
نہیں ہے عقل پہ مبنی "خداگری" میری!!

تو مجھ سے کس لئے ارشاد ہے کہ کیا ہے خدا
بجز اس کے کیا کہوں ہر درد کی دوا ہے خدا

نہ جانتا ہوں نہ پہچانتا ہوں میں اُسکو
خبر نہیں مجھے کیوں مانتا ہوں میں اُسکو

بادل اور کوہسار

کوہسار اور بادلوں کے جمگھٹے شام اور شفق!
ڈوبتے سورج کا رومان آفریں جام اور شفق

بادلوں میں کیف و رعنائی کی تصویروں کے نقش
مستیوں کے خال و خط صد رنگ تنویروں کے نقش

روح پرور رنگ، دل کش سائے، نورانی غبار
کچھ حقیقت، کچھ تصوّر، کا طلسمِ سحر کار!
دھیمی دھیمی تیرگی میں ہلکی ہلکی سُرخیاں!
سرخیوں میں حیرت افزا داستانوں کا جہاں
چھن رہا ہے بادلوں سے رنگ و طلعت کا غبار
نور کے چھینٹوں کے اندر جیسے پھولوں کی پھوار
دُور کا کوئی افق ہے چشمِ دل کے سامنے
سُرخ آنچل جس پہ پھیلائے ہیں اپنے شام نے
رقص میں مشغول ہیں پریاں گھٹائیں اوڑھ کر
شعریت سر دُھن رہی ہے جن کے ہر انداز پر!
ذہن میں لہرا رہے ہیں کچھ سہانے خواب سے
چھُو رہے ہیں بربطِ تخئیل کو مضراب سے!!

آ رہی ہے دھیمے دھیمے مست گیتوں کی صدا !

بج رہا ہے آنکھ سے اوجھل کہیں اک ساز سا !

جس کو سن کر رفتہ رفتہ جھومتا جاتا ہوں میں !

خواب میں جیسے کسی کو چومتا جاتا ہوں میں !

خامشی

خامشی اک غیر مرئی حُسن ہے تخئیل کا!
جلوۂ صد رنگ حسنِ صوت کی تحلیل کا !!

کیا تخیّل آفریں ہے رسم وراہِ خامشی
فلسفہ کیا ہے؟ جلالِ بارگاہِ خامشی !

عقل کی صنّاعیوں کو جانچتی ہے خامشی
فکر کی گہرائیوں کو جانچتی ہے خامشی

خامشی قدرت کا وہ ایمائے غور و فکر ہے
لمحہ لمحہ جس کا اک دریائے غور و فکر ہے!

خامشی، ذی روح، پُر اسرار، زندہ خامشی
آشنائے لذّتِ گفتار، زندہ خامشی !

دیکھتی ہے خامشی کے حسن کو چشمِ خیال !
خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اسرارِ جمال !

میری پنہاں قوتوں کا امتحاں ہے خامشی
میرے ادراکِ نہاں کی رازداں ہے خامشی

خامشی سے معنیٔ حُسن آفریں لیتا ہوں میں
فکر کی کشتی کو جوئے نور میں کھیتا ہوں میں !

خامشی کی گونج میں ہے ایک روحانی صدا
جسمیں میں گم ہو گیا ہوں کھو گیا ہوں بارہا !

کیا بتاؤں تجھ کو اے ہمدم کہ کیا ہے خامشی !
خامشی تو ہے مگر جانِ نوا ہے خامشی !

کچھ نہیں کھلتا کہ خاموشی ہے یا آواز ہے
شاہدِ فطرت کی یہ بھی اک ادائے ناز ہے

ہجر کی کہانی

مغرب سے اُٹھ رہی ہیں پھر مے فشاں گھٹائیں !
صہبا صفت گھٹائیں ، مستی فشاں گھٹائیں

ٹھنڈی ہوا کے لب پر افسانۂ جنوں ہے !

داماںِ سحر میں جو کلیاں چٹک رہی تھیں
شاداب ہوں ہیں غلطاں کرنیں، مہک رہی تھیں !

وہ چاندنی جو شب کو پانی میں سو گئی تھی !!
موجوں میں جذب ہو کر، موجوں میں کھو گئی تھی

جاگی ہے نیند سے اور پرواز کر رہی ہے !!

مغرب سے اُٹھ رہی ہیں پھر مے فشاں گھٹائیں
صہبا صفت گھٹائیں، مستی فشاں گھٹائیں !!!

رنگیں حکایتوں کے اجزا بکھر رہے ہیں !
خواب آفریں دُھندلکے گویا نکھر رہے ہیں

گیتوں کا اِک جزیرہ گردوں پہ اُڑ رہا ہے

قوسِ قزح بنا کر رنگیں مزاج لہریں
آئی ہیں رقص کرنے گردوں پہ آج لہریں

آئی ہیں ساتھ لے کر انوار کے خزانے
پھولوں کی نکہتوں میں باندھے ہوئے فسانے

بربط کے نطق میں ہے موجِ سرورِ رقصاں
موسیقیوں کی نے میں، صہبا کا نورِ رقصاں !

ہر مے فشاں گھٹا ہے اُڑتی ہوئی جوانی !!!

رومان آفریں ہے کیا بحر کی کہانی !

مراحلِ حیات

بچپن، اک پُرشوق کیفیت ہے استفسار کی
یعنی اک فطری طلب آگاہیٔ اسرار کی

بعد استفسار کے ہے آگہی، یعنی شباب
زندگی کے علم کا سب سے عظیم الشان باب

آگہی کے بعد بیزاری کا آتا ہے مقام
جس کو کہتے ہیں بڑھاپا، حدِ آخر، اختتام

رخصت

رخصت اے دوست، یہاں آئے تھے رونے کیلئے جوہرِ زیست، غمِ عشق میں کھونے کے لئے

سو گیا ہے مرے ہاتھوں میں جوانی کا رباب
زندگی کیا تھی؛ بس اک نغمۂ اندوہِ شباب
میری پتھرائی ہوئی آنکھوں کو دے فرصتِ خواب

کہ مری روح بھی بے چین ہے سونے کیلئے

اُس طرف ایک سمندر ہے، خموش اور مغموم ؛ جس کی تہ میں نظر آتا ہے ستاروں کا ہجوم

اُس سمندر کے کنارے پہ سفینہ ہے کوئی !
منتظر میری سفینے میں حسینہ ہے کوئی !
مجھ کو جانے دے یہ مسعود مہینہ ہے کوئی !

مجھ کو درپیش ہے پیارے! سفرِ شہرِ نجوم

مجھ کو جانے سے خدارا مری منزل ہے یہی   کرنہ لینے کا اشارا مری منزل ہے وہی

مجھ کو اس ارضِ مقدس کا سفر کرنے سے

عشق کے آخری میداں میں قدم دھرنے سے

روحِ محبوب سے ملنے کے لئے مرنے سے

میں بھی ہوں ایک ستارا مری منزل ہے وہی

ٹوٹا ہوا دل

کیا بتاؤں بے کتنے اسرارِ نہاں موجود ہیں !

یہ نہیں کیا ! دل کے اندر آسماں موجود ہیں !

یہ مرا ٹوٹا ہوا دل بھی بڑی شے ہے ندیم !

بوسۂ جبریل کے اس پر نشاں موجود ہیں !

"نکہت"

(بنامِ شاہدِ نازک خیالاں)

"نکہت" کی جوانی ہے کہ پھولوں کی کہانی !
اک چشمۂ رنگیں سے اچھلتا ہوا پانی ! !

"نکہت" کی حسیں زلفوں کا مخمور فسانہ !
سنتا ہوں میں گھنگھور گھٹاؤں کی زبانی !

"نکہت" کی ہر اک بات ہے شیرین و ملائم !
"نکہت" کی ہر اک شے ہے لطیف اور سُہانی !

"نکہت" کے حلاوت بھرے رنگین لبوں میں
ضو ریز ہیں کلیوں کی نزاکت کے معانی

"نکہت" کا سراپا ہے کہ اِک نغمۂ صد رنگ
گلبرگ و چراغ و مے و مینا کی کہانی ! !

اِک پیکرِ پُرنور میں طوفانِ لطافت
اِک ساغرِ رنگیں میں بہار اور جوانی !

ہیں گیت مری روح کے اشعار نہیں ہیں
الفاظ میں ہے میرے تنفّس کی روانی !

تصویر میں دھڑکن بھی ہے شامل مرے دل کی
یہ کام نہ کر سکتا ہے بہزاد نہ مانی !

نطقِ ناتمام

تخیّل نے فلک پیمائیوں کی انتہا کر دی   تصوّر نے طلسم آرائیوں کی انتہا کر دی

ستاروں کی طلسمی وادیوں کی سیر کی اکثر   فلک کی مختشم آبادیوں کی سیر کی اکثر

سمندر کے نہاں خانے میں پریوں کے محل دیکھے   نگاہِ فکر نے ذرّوں کے سینے میں جبل دیکھے

گھٹاؤں کی ادا کا قصّۂ ہوش آزما لکھا!   عجائب خانۂ قوسِ قزح کا ماجرا لکھا!

خلاؤں کے صنم خانے میں جنت کا سماں تھا   بنائی ایسی تصویریں کہ حیرت کا سماں باندھا

دکھایا زورِ استدلال پیچیدہ مسائل میں   کھڑی کر دیں چٹانیں عقل و حکمت کی دلائل میں

ادق نکتوں کو سلجھایا معانی آفرینی کی   معاذ اللہ قوانینِ ازل پر نکتہ چینی کی!!

مگر احوالِ دل احوالِ ناگفتہ رہے اب تک   وہ دل ہی جانتا ہے دل نے جو صدمے سہے اب تک

کمالِ نطق بھی قاصر ہے دل کی ترجمانی سے

نہیں واقف ابھی طرزِ تکلّم اس کہانی سے

تأثراتِ گورستاں

درد کی تصویر کھینچی ہے سکوتِ شام نے
ایک رقّت خیز منظر ہے نظر کے سامنے!

دُور تک پھیلے ہیں حسرت خیز قبروں کے نشاں
غرق ہیں کیفیّتِ غم میں زمین و آسماں

سرد آہیں چھپ کے بیٹھی ہیں سکوں کے بھیس میں
نوحہ گر ہے ایک ناطق خامشی اس دیس میں

آج سے دس سال پہلے یونہی وقتِ شام تھا
اور میں ناواقفِ دلدوزیٔ آلام تھا!!

چند لوگ اس روح فرسا سرزمیں میں آئے تھے
موت کی سرگردگی میں اک جنازہ لائے تھے

میرے استفسار پر یوں مجھ کو بہلایا گیا!
موت کے عقدے کو دو فقروں میں سلجھایا گیا

ہو سکا جب تک تمہارے پیار کا دم بھر گیا!
اب تمہارا نوجواں بھائی خدا کے گھر گیا!

آہ وہ سادہ دلی بچپن کی اب تک یاد ہے
میں نے یہ سمجھا خدا زیرِ زمیں آباد ہے

آج پہچانا نہیں جاتا وہ گم گشتہ مزار
بن گئی ہیں اُسجگہ ویسی ہی قبریں بیشمار

کس طرح معلوم ہو یہ خویش، وہ بیگانہ ہے
ہر تفاوت سے بری رُوحوں کا وحدت خانہ ہے

ایک ہی روحوں کی نے اور ایک ہی آواز ہے
موت کیا ہے؟ اجتماعی زیست کا آغاز ہے!

حادثہ

یہ کن حوروں کے ساکت مرمریں اجسام قبروں پر
جھکے ہیں مدتوں سے نوحہ خوانِ دائمی بن کر
محبت سسکیاں بھرتی ہے ان کی پاک آنکھوں میں
غمِ پنہاں کا اک سیلاب ہے غمناک آنکھوں میں

یہ گورستان ہے یا ایک پُر اسرار آبادی
یقین و معرفت کی اک تقدس آفریں وادی!!
ازل سے ہیں یہاں چھلکے ہوئے رازِ فنا کے پیمانے
خموشی سُن رہی ہے غور سے روحوں کے افسانے

فرشتوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ ہے خموشی میں !
خدا کے پاؤں کی دھیمی سی آہٹ ہے خموشی میں

حسین قبروں کے جھرمٹ میں مَیں اکثر بیٹھ جاتا ہوں
اور اپنے راگ کے مغموم شعلوں کو جگاتا ہوں ! !

مری آواز میری روح کو لے کر اُبھرتی ہے!
اجل اس حادثے کو دیکھ کر بے موت مرتی ہے

کھٹکتا ہے یہ اندیشہ اجل کے قلبِ حیراں میں!
یہ روحِ اجنبی کیوں آئی ہے شہرِ خموشاں میں!

جنونِ عشق میں طے کر کے ہستی کے مراحل کو
یونہی از خود اگر روحیں چلی آئینگی منزل کو !

تو اسکے فرض کی اہمیتوں کو کون جانیگا!
اجل کو کون سمجھیگا، اجل کو کون مانے گا!

یہ احساس اُس کے دِل میں برق بن کر کوند جاتا ہے
اور اس کو مرگِ ناکامی کا افسانہ سُناتا ہے !

خوش آمدید

تم آئے ہو اور ساتھ تمہارے مرے گھر میں
لوٹ آیا ہے گزرا ہوا رنگین زمانہ !

کاروبارِ نشاط

راستے میں اُس سمن پیکر کی نظروں کا سلام
چشمِ نکتہ فہم کو دیتا ہے مے کا ایک جام
اک محبّت زاد گستاخی عدم ان کے حضور
بخشتی ہے دِل کو کیا وجد آفریں کیف و سرور
گرمیوں کی دوپہر میں گاؤں کی پریوں کے راگ؛
بڑ کی ٹھنڈی چھاؤں میں جلتی ہوئی الفت کی آگ؛
بنسری کی آتشیں نَے، اور نگاہوں کی مٹھاس!
جس سے بجھتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہر شاعر کی پیاس
کتنے زرّیں عیش ہیں بکھرے ہوئے ہر گام پر
میں نوحہ کیا کروں دُنیا ترے آلام پر!!

وقت

چٹک کے وقت سے ننھی سی اک کلی نے کہا ذرا چمن میں طلسمِ بہار رہنے دے
ابھی تو آنکھ کھلی ہے مری، ابھی کچھ دیر! فضائے باغ کو شاداب کار رہنے دے
مری رگوں میں مچلنے دے موجِ صہبا کو مرے خیال کو غرقِ بہار رہنے دے
لباس، قوسِ قزح کا جو میں نے پہنا ہے مرے بدن سے اسے مت اُتار رہنے دے
صباحتیں ہیں اگرچہ بہت عجیب و غریب صباحتیں ہیں یہ ناپائدار رہنے دے
ہجومِ رنگ و فروغِ جمال و بارشِ کیف! عجیب چیز ہے دورِ بہار رہنے دے
تجھے بہار کے لیل و نہار کی سوگند! ذرا بہار کے لیل و نہار رہنے دے
کہا کلی نے، بصد منّت و نیاز کہا مرا سہاگ، مری یہ بہار رہنے دے

مگر وہ گھائل اندازِ التجا نہ ہوا ...!! !!
کلی کو توڑ کے ہنستا ہوا روانہ ہوا!

دو رنگ

اُن کی جانب پہلے یونہی دیکھتا رہتا تھا میں
بات تو کوئی نہیں تھی، دیکھتا رہتا تھا میں

دیکھتے رہنے سے میرے وہ بہت مسرور تھے
اپنے حسن دِلبری سے آپ ہی مسحور تھے

اُن کو خوش کرنے کی خاطر آہ بھر لیتا تھا میں
گاہے گاہے اپنے دِل پر ہاتھ دھر لیتا تھا میں

وہ سمجھتے تھے کہ اُن کے حُسن پر مرتا ہوں میں!
اُن سے کرتا ہوں محبّت، اُن کا دم بھرتا ہوں میں

گھر میں اُن کو چین آتا تھا نہ میرے دھیان میں
بس بہے جاتے تھے وہ جذبات کے طوفان میں

باغ میں ہر روز مجھ کو دیکھنے آتے تھے وہ!!!
بن سنور کر مجھ سے دادِ حُسن لے جاتے تھے وہ!

مدّعا اِس کھیل کا کیا تھا، فقط اِک دل لگی!
ان کو خوش کرنے میں پنہاں تھی مری اپنی خوشی

کر کے خوش فہمی میں ان کو مبتلا ہنستا تھا میں
سادگی پر ان کی دل ہی دل میں ہنستا تھا میں!

آہ لیکن ہمنشیں اب دِل کی حالت اور ہے
دِل کی حالت اور ہے رنگِ طبیعت اور ہے

جب نظر آتی نہیں گلزار میں ان کی جھلک ٹھوکریں کھاتی ہیں سودائی نگاہیں دور تک

باغ میں آتا تھا پہلے سیر کو میں اب مگر کھینچ لاتی ہے یہاں انکی کشش شام و سحر

اُن کو دیوانہ بنا کر، مجھ کو وحشت ہو گئی !!!

دِل لگی کی تھی، مگر سچ مچ محبت ہو گئی !!!

شکستِ موج

سینۂ دریا سے لپٹی، روح کو گرما گئی !!!

موج جب تک تیز دھارے پر رہی لہرا گئی

جانبِ ساحل گئی جب ناز فرماتی ہوئی

اس کی ہستی کو کنارے کی خموشی کھا گئی !

نور و نار

گذارش :-

پیاری مرے خلوص بھرے آنسوؤں کا نور　　میرے جنوں کا راگ، مرے عشق کا سرور
پہنچا ہے دور کے کسی روشن دیار میں　　حسنِ ازل کے دائمی فردوس زار میں !
جس سرزمیں کو زہرہ و ناہید ہیں رواں　　جا کر جہاں ٹھہرتے ہیں تاروں کے کارواں
اُس سرزمیں سے آئی ہے تو میرے دیس میں　　موسیقیوں کی روح ہے عورت کے بھیس میں !
آئی ہے تاکہ ٹھہرے یہاں رات کے لئے　　میرے غریب دل کی مدارات کے لئے !
گو تو ہے ایک پیکرِ محسوس جانِ من !　　آنکھیں ہیں تیرے حسن سے مانوس جانِ من !
لیکن ترا وجود طلسمِ خیال ہے !!　　تخلیقِ رنگ و نور کی حدِ کمال ہے
آنکھیں تری بنی ہیں فرشتوں کے زہد سے

اے کہکشاں سے اتری ہوئی پاک نازنیں
ہیں تیرے انتظار میں اُس دیس کے مکیں !

جا ! میرے غمکدے میں نہیں کچھ بجز الم
ہے میری کائنات محبّت کا تلخ غم !

جا ! اپنے رنگ و نور سے معمور گھر میں جا
اِس غمکدے سے دور "مسرت نگر" میں جا !

جواب :-

اے الفتِ دنیا کے پابند نوجواں !
بہتر ہے ارضِ نور سے یہ تیرا خاکداں !!

میرے وطن میں عشرتِ جاوید ہے مکیں
بے شک جمالِ زہرہ و ناہید ہے مکیں

میرے وطن میں نور کے چشمے بھی ہیں رواں

بے فائدہ مگر وہ بیابانِ نور ہے ! !!
اُس نور زار میں مرا دل غم سے چور ہے !

اکتا گئی ہوں نور سے ہے نار کی تلاش
جذباتِ آتشیں کے تپش زار کی تلاش

تیری جنوں نواز نگاہیں عجیب ہیں !!!
ڈوبی ہوئی گداز میں آہیں عجیب ہیں !

آئی ہوں تیری چاہ میں مَیں کتنی دُور سے
برباد کر نہ مجھ کو عبث ذکرِ نور سے !! !!

آغوشِ اشتیاق میں اس طرح لے مجھے
بس اپنے دل کی آگ سے تو پھونکدے مجھے

طلوع

مشرق میں ابر و رنگ کا منظر ہے دیدنی
کیف آفریں گھٹاؤں میں ہے سحرِ سامری !

کوثر کے پڑ رہے ہیں جو چھینٹے ہوا پر
ہر سانس میں سرور کی ہے ایک لہر سی !

موسم کا حُسن، پھولوں کی نکہت، فضا کا رنگ
ٹھنڈی ہوا، لطیف سماں، روحِ تازگی !

صبحِ شگفتہ کا یہ اعجاز دیکھنا !!
کھِلنے لگی ہے ایک خزاں آشنا کلی !

یعنی عدم کے قلبِ فسردہ میں بھی ندیم!
بیدار ہو رہا ہے پھر احساسِ زندگی

مغنیّا!

بپا کر کے نوائے مست کا طوفاں، وہاں پہل
بہا کر راگ کا اِک سیلِ بے پایاں وہاں پہل!

بجز موسیقیوں کے کچھ نہیں جس شہرِ نغمہ میں
ہے آباد اِک سرودِ دلنشیں جس شہرِ نغمہ میں!

درخشاں، غیر فانی، روح پرور راگ رہتے ہیں
جہاں گیتوں کے دھارے پر فقط نغمے ہی بہتے ہیں!

نواؤں کے اشارے پر نوائیں رقص کرتی ہیں
صدائیں ڈوبتی ہیں اور صدائیں ہی اُبھرتی ہیں

جہاں گیتوں کا دن چڑھتا ہے گیتوں کے سویرے ہیں
جہاں گیتوں کی رات آتی ہے گیتوں کے اندھیرے ہیں

ازل سے جس جگہ موسیقیوں کا نور رخشاں ہے
وہ ارضِ صوت ہر ذرّہ جہاں کا بربطِ ستاں ہے

جہاں، وقت، اِک مسلسل راگ کی جھنکار ہے خود بھی
ہمیشہ بجنے والے ساز کا اِک تار ہے خود بھی!!

اُٹھا بربط کو، اے نباضِ بربط وجد میں آ کر!
شبِ مہتاب ہے، گیتوں کی پریوں کو جگا گا کر

فضاؤں میں بہا دے چشمۂ افسونِ موسیقی
رگِ لمحات میں ہو محوِ گردش خونِ موسیقی

سماعت تیری تانوں سے پٹ کر مست ہو جائے
مری ہستی ترے کیف آفریں نغموں میں کھو جائے

کوئی

سحر کے نور کا عالم لئے نگاہوں میں ! ! ضیا بکھیرتا جاتا ہے کوئی راہوں میں !
لبوں میں معنیٔ عہدِ شباب رخشاں ہیں ! بہار جھوم رہی ہے حسین باہوں میں !

رنگ و نور

شباب و شعر کی طغیانیوں کا ساماں ہے نظر نظر میں شبِ ماہتاب غلطاں ہے
بنا ہوا ہے ہر اک عضو موجِ صہبا سے تمہاری ذات طلسمِ بہارِ خنداں ہے

جوانی

طلسموں کا دریا ہے خوابوں کے دھارے دھندلکوں میں لپٹے ہوئے ہیں نظارے

مری ناؤ کس سرزمیں کو رواں ہے!

فضاؤں میں نکہت سی پھیلی ہوئی ہے پُراسرار ظلمت سی چھائی ہوئی ہے

یہ کس گیت کا ماہ پیکر سماں ہے!

ہر اک چیز نغموں کی لَے سے بنی ہے ہر اک چیز نیندوں کی مَے سے بنی ہے

ہر اک چیز پر حسن پرتو فشاں ہے!

ستاروں کی آواز ہے یا جوانی! لطافت بھرا ساز ہے یا جوانی!

جوانی ہے یا نغمۂ کہکشاں ہے!

ستارے ہیں، دریا ہے اور چاندنی ہے مری ناؤ خود اک حسیں راگنی ہے

مری طرح فطرت کی ہر شے جواں ہے

کسی حُسن میں کھویا ہوا جا رہا ہوں　　　سفینے میں سویا ہوا جا رہا ہوں !

نہیں کچھ خبر میری منزل کہاں ہے

ایک لڑکی

نہ جانے کون ہے یہ سادہ و حسیں لڑکی !　　　یہ بھولی بھالی سی اک وجد آفریں لڑکی !!

جو صبح ساحلِ دریا پہ روز آتی ہے ! !!　　　اور آ کے چڑیوں کے مانند چہچہاتی ہے !!

اچھالتی ہے حسیں انگلیوں سے پانی کو　　　تو وجد آتا ہے دریا کی سب روانی کو ! !!

جو دوڑتی ہے خنک ریت پہ مسرت سے　　　تو رقص کرتے ہیں لہرا کے شادماں ذرّے

یہ منہ کو دھوتی ہے اور وہ پروں کو دھوتے ہیں　　　میور اس کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں !

یہ لڑکی رہتی ہے جب تک مری نگاہوں میں

خوشی سی ناچتی پھرتی ہے گویا راہوں میں !!

راوی کے کنارے ایک شام

پُرسکوں راوی کی سنجیدہ خموشی کا وقار
کر رہا ہے روح پر گہرے حقایق آشکار !!

دِل سرا پا درد ہے تسکین سے محروم ہوں
شام کے گہرے دھندلکے کی طرح مغموم ہوں

بھر رہی ہے سرد آہیں مضمحل موجِ صبا
بیکسی کی غم فزا تصویر ہے ساکت فضا

نرم رو موجوں کے ہلکوروں کا غمگیں ارتعاش !
کر رہا ہے ہمنشیں قلب و جگر کو پاش پاش

محفلِ ہستی کی ہر شے درد سے معمور ہے
جیسے ہر سینے میں نامعلوم سا ناسور ہے

کیا یہی بارہ دری ہے جسکے جیراں بام و دور
کھولتے تھے عیش و عشرت کے دریچے روح پر !

مست و بیخود قہقہوں پر جھومتی تھی روحِ دشت
وقت تھا رنگیں ترانوں کی صدائے بازگشت !

کیفِ شادابی کی جاں پرور بہاروں کا شباب
یعنی حیرت خیز رنگوں میں غروبِ آفتاب !!

اُف وہ دورِ بیخودی وہ صحبتِ راز و نیاز
وہ امنگوں کی تڑپ وہ آرزوں کا گداز !!

وہ ہوائے سرد، وہ دریا کا ساحل، وہ بہار
آنکھوں آنکھوں میں کسی کا مسکرانا بار بار!

وہ کسی کی دلربا باتیں، وہ باتوں کا سرور!
وہ کسی کا چہرۂ خندانِ طلسمِ رنگ و نور

کس بلا کی دلکشی پنہاں تھی حسنِ شام میں
بھر دیا اب زہر کس نے ساغرِ ایام میں!

آہ کتنی سطح بیں ہوتی ہے انساں کی نظر
روح کے اعماق سے جب تک ہو وہ باخبر!

کائنات اک عکس ہے انساں کے جذبات کا
یعنی ہر تصویر اک پرتو ہے اپنی ذات کا!!

اک سنہری خواب ہے دنیا کی ہر فانی خوشی
دھوپ کے مانند ڈھل جاتا ہے حسنِ دل کشی

ٹوٹتا ہے جب طلسمِ شادمانی یک بیک!
چونک اٹھتی ہے بشر کی روح میں غم کی کھٹک

شادمانی خواب، غم اس خواب کی تعبیر ہے
دیکھئے تو نقشِ ہستی درد کی تصویر ہے

کس قدر گہرا ہے محسوساتِ غم کا سوز و ساز
چھا رہا ہے میری ہستی پر مرے دِل کا گداز!

ہو رہی ہے اِس طرح تکمیلِ ذوقِ آگہی!!
بنتی جاتی ہے سراپا درد میری زندگی

مزدور



جہاں کی رونقوں میں قہقہے ہیں میری محنت کے
جہاں کی رونقیں کیا ولولے ہیں میری محنت کے

رفیع الشّان جتنے بھی محل ہیں پوچھ لو ان سے
یہ کس کے دست و بازو کا عمل ہیں پوچھ لو ان سے

یہ مندر کا کلس میرے پسینے کا شرارا ہے
مرے ہاتھوں نے مسجد کے ہر اک خط کو ابھارا ہے

نہیں واقف تو میری عظمتِ پُرنور کو دیکھو
مرے خلّاق کو دیکھو، بڑے مزدور کو دیکھو

یہ دُنیا جس کے نورانی تخیّل کی ہے مزدوری
یہ سب کچھ جس کے لافانی تخیّل کی ہے مزدوری

جو سورج، چاند اور دن رات سی چیزیں بناتا ہے
ازل سے آسماں کے کھیت میں خود ہل چلاتا ہے

ہیں زندہ عرش کے روشن نظارے جس کی محنت سے
فلک پر شب کو اُگتے ہیں ستارے جس کی محنت سے

ہے سب کچھ حاصلِ محنت یہ دُنیا کیا، وہ دنیا کیا!

ہے مزدوروں کی ملکیت، یہ دنیا کیا، وہ دنیا کیا!

گیت کے مناظر

انگلیوں کا رقص اور تاروں کی لرزش کیا کہوں	دل میں لہریں لے رہا ہے ایک سیلابِ جنوں
پھر رہے ہیں گیت کے صد رنگ منظر آنکھ میں	جذب ہیں کیا کیا نقوشِ سحر پرور آنکھ میں

یہ گماں ہوتا ہے اِک تالاب ہے، حسن آفریں!	سانپ سے لہرا رہے ہیں جس کے اندر ہمنشیں
اور اس میں رفتہ رفتہ ڈوبتا جاتا ہوں میں	موت کے اعماق کی جانب بڑھا جاتا ہوں میں!

یا کوئی ویراں محل ہے جس کی خوابیدہ فضا	کر رہی ہے پیش نظّارہ خیال و خواب کا!
ایک رنگیں شامِ ماضی کی ہے لوٹ آئی ہوئی	قہقہوں کی ایک پنہاں گونج ہے چھائی ہوئی
چوڑیوں کی کھنکھناہٹ سے فضا معمور ہے	آنچلوں کی سرسراہٹ سے ہوا مخمور ہے!

یا کوئی جنگل ہے سنّاٹا ہے جس میں چار سو
دو پہر کا وقت ہے اور چل رہی ہے گرم لُو !

اور افق سے اُٹھ رہی ہے ایک مستانہ گھٹا !
لے کے اپنے ساتھ اک طوفاں سرور و کیف کا

ناچتے ہیں جوشِ مستی میں بگولے اس طرح
ریگِ صحرا میں اُمنگیں جاگ اُٹھی ہوں جس طرح

یا کوئی دریا ہے جس میں اک سفینہ ہے رواں
اور سفینے میں ہے روشن اِک چراغِ نیم جاں ! !

جس کی دھیمی سی ضیا میں جھلملاتا ہے جنوں
لے رہا ہے سانس ہر سو شب کا وحشت زا فسوں

غرق ہے دل مضطرب جذبات کے ہیجان میں !
کھا رہی ہے روح ہچکولے کسی طوفان میں

آہنگ

آہنگ میں وہ حسنِ معانی ہے جلوہ گر
لفظوں کی کائنات نہیں جس سے بہرہ ور

میٹھی سُروں میں جاگ رہا ہے عجب سماں
برسا رہی ہے سحر و فسوں راگ کی زباں

افسانہ کر رہی ہے یہ آساوری کی لَے
جاگا ہے کوئی نیند سے منہ پر چھڑک کے مے

زلفوں میں ہے بہار کی کلیوں کا انتظام
پلکوں کی جنبشوں میں درخشاں ہے روحِ جام

تصویر بن رہے ہیں عجب راگنی کے تار !
انگڑائیوں میں غرق ہے اک پیکرِ بہار

موجِ نسیمِ عالمِ رومان و خواب کی !!
آواز بن کے آئی ہے سازِ شباب کی :

قوسِ قزح کو چوم رہی ہے حسیں گھٹا
مے پی کے جیسے جھوم رہی ہے حسیں گھٹا

بہکی ہوئی فضاؤں میں بکھرے ہوئے ہیں رنگ
چھایا ہوا ہے نور نما نکھرے ہوئے ہیں رنگ

لہرا رہے ہیں سُر کے نکھار اب راگ میں
آنکھیں جھپک رہے ہیں مرے خواب راگ میں

معمولِ حیات

صبح جب خواب سے جگاتی ہے !
رحمتوں کے پیام لاتی ہے

دل کو وقفِ نماز کرتا ہوں
روح کو سرفراز کرتا ہوں

دِل میں رہ رہ کے درد اٹھتا ہے
ایک شاعر کی بندگی کیا ہے !

چند جذباتِ دردمندانہ!
ایک دو آنسوؤں کا نذرانہ!

دن کو دن کا خمار رہتا ہے
نشّہء کاروبار رہتا ہے !

زندگی کے جہاد میں مصروف
کوششِ بامراد میں مصروف

کیفِ محنت میں غرق رہتا ہوں
ستمِ روزگار سہتا ہوں

شام کو ایک جُو کے ساحل پر
بیٹھ جاتا ہوں مطمئن ہو کر !

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں   روح پرور صدائیں آتی ہیں !

جام بھرتا ہوں شعر کہتا ہوں

اپنی دُنیا میں مست رہتا ہوں !

رومان

شام تھی اور شام کی تاریکیوں میں ہمنشیں   ساحلِ دریا پہ محوِ سیر تھی اِک نازنیں
اُس کا پیکر، شام اور دریا حقیقی چیز تھے   بن گئے لیکن یہ سب مِل جُل کے اک خوابِ حسیں

جب سیہ راتوں میں کالے بادلوں کے درمیاں ؛   آنکھ جھپکاتی ہیں رہ رہ کر فلک پر بجلیاں !
کپکپاتی روشنی کی مختصر ساعت میں بھی !   دیکھ لیتی ہے نظر کتنے طلسماتی جہاں !

ساقی

اُٹھا اے نشاط کے خلاق، شادماں کر دے — علاجِ وسوسہ و فکرِ رائگاں کر دے

غم و الم کے زمانہ کو مختصر کر کے — بہارِ عیش کی گھڑیوں کو جاوداں کر دے

ہے ایک جامِ بلوریں میں رنگِ رازِ شباب — نگاہِ مست سے یہ فلسفہ بیاں کر دے

تری نظر کے کرشموں کا ہے یقیں مجھ کو — مرے یقیں کو کرشموں کا ہم عناں کر دے

تری جبیں میں ہے کلیوں کا نور اے ساقی — جبیں کے نور سے تخلیقِ گلستاں کر دے!

مری خزاں زدہ خوشیوں کو تازگی دے کر — مری فسردہ بہاروں کو نوجواں کر دے

ترے لبوں میں ہے پھولوں کا قند اے ساقی — لبوں کے قند سے سیراب کام و جاں کر دے

ترے وجود کا مفہوم ہے طلوعِ شباب
جواں نگاہ سے ہر شے کو نوجواں کر دے

سیرِ محشرستاں

بادۂ جانفزا بھی کیا شے ہے — ہے تخیّل کی روح یا مے ہے
مے جو دل کو جوان کرتی ہے — مے جو آنکھوں میں رنگ بھرتی ہے
مے جسے پی کے جھومتا ہے دماغ! — جس سے جلتا ہے بیخودی کا چراغ
رات ہم پی کے ایک پیمانہ — کیفِ عرفاں میں بے حجابانہ
وادیٔ دہر و ماہ سے گذرے — ہر جنوں خیز راہ سے گذرے
گفتۂ قلبِ ناصبور کیا! — ہفت افلاک کو عبور کیا!
گھوم کر ساری جلوہ گاہوں سے — آخرش حشر گاہ میں پہنچے

مجتمع تھا ہجوم بے پایاں! — دم بخود تھے تمام پیر و جواں
ایستادہ تھے سب امیر و فقیر — فکر میں غرق تھے صغیر و کبیر!

دیدنی تھا ہر ایک چہرۂ زرد — ہونٹ تھے خشک اور جسم تھے سرد
ہر بشر خوف سے پریشاں تھا — روح لرزاں تھی جسم لرزاں تھا
تُل رہے تھے ہر ایک کے اعمال — ہر بشر تھا غم والم سے نڈھال!
تختِ ذی شان جلال آرا تھا! — داورِ حشر جلوہ فرما تھا

یک بیک ایک بندۂ آزاد — راست قد، خوبرو و شوخ نہاد
یعنی وہ شاعرِ طلسم نگار — غالبِ نکتہ سنج و بادہ گسار!
عجب اندازِ بیقراری سے — یعنی اِک شانِ وضعداری سے
چیر کر سب ہجوم کو نکلا — اور بصد احترام کہنے لگا
اے خدا اے جہان کے معبود — ناظمِ عرصۂ ہبوط و صعود!
سارے احوال تجھ پہ ظاہر ہیں — میرے اعمال تجھ پہ ظاہر ہیں
جانتا ہے حریفِ ہوش ہوں میں — کشتۂ ذوقِ ناؤ نوش ہوں میں!

عمر پینے میں سب بسر کی ہے — زندگی میکشی میں کھودی ہے

فردِ اعمال میں دھرا کیا ہے — اس کی پڑتال میں دھرا کیا ہے

گر جہنّم میں بھیجنا ہے مجھے! — تو بھلا اس میں عذر کیا ہے مجھے

جسکا دل دوزخِ سراپا ہو! — کیا جہنّم کا اُس کو دھڑکا ہو

تجھ سے پوشیدہ حالِ زار نہیں — حسرتوں کا کوئی شمار نہیں!

ذکرِ آلام و بیکسی کیا ہے!! — نامرادوں کی زندگی کیا ہے!

بخش دیجے نہیں ہے تابِ شکیب — کھا چکا ہوں تمام عمر فریب

مجھ کو انصاف کا خیال بھی ہے — دل مگر وقفِ احتمال بھی ہے

کیا کروں دل نہ ماننا موجب — عدل ہے ایک لفظِ بے مطلب

یاد ہے تجھ کو عادلِ بیت — ماجرا میری جاں فگاری کا!

آہ وہ حشر آفریں راتیں!! — برق و باراں کی دلنشیں گھاتیں

وہ گھٹاؤں کا کیفِ وجدانی ! وہ فضاؤں میں مے کی طغیانی !

نغمۂ طربِ سے حشر بدوش آہ وہ میکدہ کا جوش و خروش

لغزشوں کا ہجوم مستانہ !! مستیوں کا شعارِ رندانہ !

گلرخوں کی ادائیں بہکی ہوئیں مطربوں کی نوائیں بہکی ہوئیں !

عیش کا شادمانیوں کا سماں ! حشر آرا جوانیوں کا سماں !

لیکن اُس کیفِ زارِ عشرت میں موسمِ زرنگارِ عشرت میں !

آہ وہ میرے گھر کا حالِ خراب زندگی تھی کہ ایک طرفہ عذاب

سچ تو یہ ہے کہ شوق میں قلب و جگر روح میں جذب ہیں الم کے شرر

مجھ کو جنت میں بھی اگر بھیجا ! دل وہاں کیا لگے گا اب میرا

خُلد و دوزخ کی جب نہیں پروا کس طرح ہوگا فیصلہ میرا

خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا　　فکر کیا حشر کے نتیجے کا!

ہاں مگر تا ہنوز اے غفّار!　　اپنے اعمال پر ہیں ہم مختار!

خونِ دل کس لیے پئیں پھر ہم　　تشنہ لب کس لیے جئیں پھر ہم!

کر اشارا کسی فرشتے سے　　جا کے دو چار مے کے خم لائے

جب تلک بزم حشر گرم رہے　　بادۂ جاں فزا کا دور چلے!

سُن رہے تھے یہ خطبۂ رنگیں　　ہمہ تن گوش ہو کے پاس کہیں

رندِ آزاد حضرتِ خیّام　　بولے با اضطرابِ شوقِ تمام

حشر میں مے کشی ضروری ہے

آپ کی گفتگو اصولی ہے!



مندر میں شام



مندر میں جل رہے ہیں چراغ اور جا بجا — لہرا رہا ہے زہد و تقدّس کا نُور سا

دل میں سما رہا ہے بہشت آفریں سماں — زر کار پیرہن میں ہیں ملبوس دیویاں!

چہروں پہ دل کے نور کا پرتو لئے ہوئے! — محوِ نیاز، بادۂ عرفاں پئے ہوئے

نازک لبوں کی جنبشِ پیہم سے بار بار! — جاری ہے دلنواز ترانوں کی اِک پھوار

مندر، چراغ، شام، دلوں کی صداقتیں — اور ذوقِ بندگی کی مقدّس لطافتیں

طاری ہے میری روح پہ اِک کیفِ بیخودی — پہنچا ہُوا ہے عرش پہ ادراکِ بندگی ب

محسوس ہو رہا ہے عبادت بھی حسن ہے!

اُس حسنِ سرمدی کی محبّت بھی حسن ہے!



صنمخانۂ خیال

شیریں لبوں میں خُلد کا مفہوم بے نقاب
زلفوں میں جھومتی ہوئی موجِ جنوں نواز!

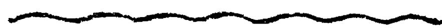
موجِ جنوں نواز میں طوفانِ بیخودی!
طوفانِ بیخودی میں تمناؤں کا گداز

باتوں میں لہلہاتی ہوئی جام کی کھنک
اور جام کی کھنک میں بہاروں کے برگ و ساز

اعضا میں لوچ، باتوں میں رس، دل میں مستیاں!
آنکھوں میں نور، نور میں رنگینیٔ مجاز

رنگینیٔ مجاز میں گہری حقیقتیں
گہری حقیقتوں میں بہت ہی عمیق راز

رازوں میں میرے شعر کا سرچشمۂ جمال
وہ ہیں عدم کہ ایک صنمخانۂ خیال!!



شبِ ماہتاب

سو رہی ہے پاؤں پھیلا کر زمیں پر چاندنی
سبزۂ مخمور کے فرشِ حسیں پر چاندنی !!

دامنِ گلشن میں ہے پھیلا ہوا خوابوں کا جال !
وجد میں آ کر ہوا ہے نغمہ زن سازِ خیال

ہے ستاروں پر سکوتِ سحر زا چھایا ہوا
اور فضا میں بیخودی کا حسن لہرایا ہوا !!

نیند کی موسیقیاں تبدیل ہو کر حسن میں
راگنی کے زیر و بم تحلیل ہو کر حسن میں !

کر رہے ہیں ترجمانی رات کے مفہوم کی !
خوب یہ دلکش کہانی راگ نے منظوم کی ! !

رات ہے یا پیکرِ منظر میں اک خاموش راگ
حسن کے بربط میں خواب آلود اور مدہوش راگ

رات ناطق ہے مری خاطر جو اک شاعر ہوں میں
نطقِ فطرت کا مگر اک راز داں شاعر ہوں میں

ہے مرا ذوقِ سماعت آپ ہی بربط نواز
بج رہا ہے رات کے ہاتھوں میں میرے دل کا ساز

رات کا نغمہ مرا ہی گیت ہے گایا ہوا

رات مجھ پر اور میں ہوں رات پر چھایا ہوا

مزارِ دوست

دامنِ مغرب میں پنہاں ہوگیا ہے آفتاب
کلفتِ منزل سے تھک کر سو گیا ہے آفتاب

دہر پر رنگِ سکوتِ شام طاری ہوگیا
آسماں سے چشمۂ ظلمات جاری ہوگیا!

مضطرب جذبات کا طوفاں ہے دل میں موجزن
رنج و غم کا بحرِ بے پایاں ہے دل میں موجزن!

آگیا ہوں شورشِ ہستی کے ہنگاموں سے دُور
زندگی کے شور و شرِ بستی کے ہنگاموں سے دور!

منظرِ ناکامیٔ انساں ہے میرے سامنے
وادیٔ خاموشِ گورستاں ہے میرے سامنے

گور کی آغوش میں اے دوست تو بھی ہے نہاں
میری قسمت کی طرح آسودۂ خوابِ گراں!!

کردیا ہے ناوکِ فرقت نے میرا سینہ چاک
اور مرے ارمان تیرے ساتھ ہیں پیوندِ خاک!

تو نہیں تو نغمۂ بلبل صدائے آہ ہے!
وسعتِ گلزارِ عالم ایک وحشت گاہ ہے

میرا کاشانہ ہے اس دنیا میں بس تیرا دیار
تو ہے جانِ زندگی تربت تری میرا مزار

شب کی خاموشی میں بھی جاری ہے دورِ آسماں
کارواں ہیں چرخ پر لرزاں ستاروں کے رواں

چھا گیا ہے سارے ویرانے پہ افسونِ سکوت
شمعِ مرقد کی طرح میں بھی ہوں مرہونِ سکوت

شمع اور میں دونوں نذرِ سوزِ غم ہو جائیں گے
تیرے پیچھے راہیٔ ملکِ عدم ہو جائیں گے !

اے دوست

آ ! دادِ محبّت دیں باہم، اے دوست ! کہ دنیا فانی ہے !
قسمت سے میّسر آئی ہے، پھر کب یہ جوانی آنی ہے !
تو دنیا سے کیوں ڈرتا ہے، کیوں خونِ محبّت کرتا ہے !
یہ دُنیا تو سودائی ہے، یہ دنیا تو دیوانی ہے !! !

گھٹا

اُٹھی ہے جھوم کر گھٹا سرورِ مے لئے ہوئے
سرور و بیخودی کی دلنوازیے لئے ہوئے
جوان ہو گیا ہے جس سے دل وہ شے لئے ہوئے

گھٹا نہیں، سمندروں کی کوئی مست لہر ہے
گھٹا نہیں کوئی سپہر گرد موجِ بحر ہے
گھٹا نہیں، جنوں فروش مستیوں کی نہر ہے

بہار کی پری کا حسنِ دلنواز ہے گھٹا
نگارِ دلفریب کی ادائے ناز ہے گھٹا !
طلسم ساز ہے گھٹا، فسوں طراز ہے گھٹا

گھٹا نہیں، مجسّمہ ہے بیخودی کے رنگ کا
گھٹا نہیں، سرود ہے شباب کی اُمنگ کا
گھٹا نہیں، پیام ہے نشاط کی ترنگ کا

یہی گھٹا مگر دُکھے دلوں میں غم کی آگ ہے
فغاں نصیب کوئلوں کا جانگداز راگ ہے
گھٹا نہیں، غمِ فراق کا سیاہ ناگ ہے

بچّے

کم سِنوں کے قہقہے شاداب روحوں کا سرود
جانفزا گفتار ہیں صبحِ مسرّت کی نمود !

کلکِ قدرت کی لطافت کاریوں کا اِک عمل
چاندنی پہنے ہوئے شفاف نورانی کنول

سازِ ہستی کی رو پہلی نَے کا جسمِ مرمریں
یا فرشتوں کے پروں کا عکسِ طلعت آفریں

عرش کی قندیل سے ضوگیر ہیں ان کے دماغ
ان کی آنکھوں سے عدم ملتا ہے نیکی کا سراغ

کھیل میں مصروف ہیں بچّے جو فرشِ خاک پر
ہالہ پیرا ہیں ملائک رفعتِ افلاک پر !

گلستانِ زیست کے یہ نرم و نازک نونہال !
جن کے ایک اِک نقش سے مسحور ہے تابِ جمال !

کس قدر سرسبز ہیں، شاداب ہیں مسرور ہیں
کسقدر مسرور ہیں بشاش ہیں مسحور ہیں

ان کو کیا معلوم کس ملت کے مستقبل ہیں یہ !
ان کو کیا معلوم کس اجڑے وطن کے دل ہیں یہ

انقلابِ آسماں کا دور جاری ہے مدام — گردشِ پیہم سے ذرّوں کو نہیں حاصل قیام!

یہ حسیں معصوم بچّے اِن کی عمریں ہوں دراز — مہ جبیں معصوم بچّے ان کی عمریں ہوں دراز

اِن کے سینے غیرتِ اخلاق سے معمور ہوں — ان کی روشن خاک کے ذرّے مجسّم نور ہوں!

ایک دن نامِ خدا یہ بھی جواں ہو جائینگے!

اور ناموسِ وطن کے پاسباں ہو جائینگے

تجزیہ

سیماب کی روحِ بیتابی ہے برق کے خوں کا چشمہ ہے

سمٹا ہوا میرے سینے میں صہبائے جنوں کا چشمہ ہے!

یہ دل نہیں ہمدم! مجھ کو قسم ہے عشق کے کیفِ محکم کی

جذبات کا اِک آتش خانہ ہے سوزِ دروں کا چشمہ ہے!

سرودِ روح

چل رہی ہے شام کی ٹھنڈی ہوا گاتی ہوئی
دل کو فرحت، روح کو تسکین پہنچاتی ہوئی

کچھ سنہرے اور شفق گوں بادلوں کے درمیاں
دیدنی ہے ڈوبتے سورج کا کیف افزا سماں!

خار و خس میں لرزشِ رنگینیٔ موجِ بہار
کوہسار اور ان میں اک ہلکا سا نورانی غبار

پیچ و خم کھاتی ہوئی پگڈنڈیوں میں بے نقاب
حریت کے روح پرور ولولوں کا التہاب

کیا طرب آموز ہے شاداب جنگل کی فضا!
ہو رہی ہے اک مسلسل بارشِ کیف و ضیا!

چھیڑتی ہے شام جب سازِ نشاط و تازگی
ہر رگِ مردہ میں دوڑ اٹھتا ہے خونِ زندگی!

دور ہو جاتے ہیں تلخ اور غم فزا وہم و قیاس
روح کی موسیقیوں میں ڈوب جاتے ہیں حواس

شام کا مقصد نہیں ہے صرف تخلیقِ جمال!
دے رہی ہے بزمِ قدرت دعوتِ فکر و خیال!

کر رہا ہے کوئی در پردہ بشر کا احترام
گوشِ دل سے سن ذرا فطرت کا نورانی پیام

کاش یُوں ہموار ہو جائے زمانے کا نظام　　کر سکیں اہلِ جہاں اک دوسرے کا احترام

عقل صرفِ گمرہی ہے ہوش وقفِ اختلال!　　آہ کیا ہو گا ہوس زائیدہ دنیا کا مآل!

مذہبِ انسانیت سے ہے خرد کو احتراز　　زندگی ہے یا جہنم کی عقوبت کا گداز!

کیا یہی دنیا ہے لفظِ کُن کی جو تفسیر ہے　　عشق کے ذوقِ جہاں سازی کی یہ تعبیر ہے

وسعتِ تخئیل میں جب ڈوب جاتا ہوں کبھی!　　اور چھا جاتی ہے دل پر ایک گہری بیخودی!

آنکھ سے مستور ہو جاتی ہے بزمِ آب و گل　　جگمگا اٹھتے ہیں نورِ فکر سے اعماقِ دل!

زندگی کی عظمتوں کے راز ہوتے ہیں عیاں　　اور نظر آتا ہے اِک پُر امن نورانی جہاں

گو ہنوز اُس سطح پہ دنیا کا آنا ہے محال　　ہے مرے پیغام میں مضمر حقیقت کا جلال

جب محبت مذہبِ اہلِ جہاں ہو جائے گی

کائنات اِک وادیٔ جنت نشاں ہو جائیگی!

خلوتِ حُسن

دیدنی ہے ہمنشیں خلوت میں اُن کا اضطرار
چھُو رہی ہوں جیسے انکو میری نظریں بار بار

بیٹھے بیٹھے بیخودی میں مُسکرا پڑتے ہیں وہ
جھوم کر فرطِ خوشی سے کھلکھلا پڑتے ہیں وہ

پھر کسی احساسِ پنہاں کے اثر سے یک بیک
جھلملا اٹھتی ہے انکے رخ پہ سرخی کی جھلک

دیکھتا ہو جیسے اُن کو کوئی چھُپ کے پاس سے
دل میں کچھ محجوب ہو جاتے ہیں اس احساس سے

تازگی اک لہر شامل جس میں ہو رنگِ حجاب
چاند سے ماتھے پہ ہو جاتی ہے ہنس کر بے نقاب

دیر تک رہتا نہیں لیکن تکلّف برقرار
خود بخود ہوتی ہے پھر دل کی حقیقت آشکار

دلربا چہرے پہ لوٹ آتا ہے پھولوں کا نکھار
ہنسنے لگتا ہے ہر اک عضوِ حسیں لے اختیار

رقص کرتے ہیں محل کر ناز سے زلفوں کے بال!
گدگداتا ہے انہیں میری محبت کا خیال

اُن کے یہ سب رنگ چھپ کر دیکھتا رہتا ہوں میں
مجھ سے کچھ کہتا ہے دل اور دل سے کچھ کہتا ہوں میں

آفتاب و ماہتاب

جدا ہے تیری طریقت سے دوست میری روش
تجھے ملی ہے صباحت، مجھے ملی ہے تپش

تری نگاہ میں غلطاں ہیں چاندنی راتیں
مری نظر میں نمایاں ہیں عشق کی گھاتیں!

تری سرشت میں ہے برگِ گل کی شیرینی
مرے مزاج میں طوفاں کی وحشت آئینی!

تو ایک قوسِ قزح ہے، میں ایک ابرِ جنوں!
میں ایک شعلۂ آتش، تو بادۂ گلگوں!!

میں ایک جھونکا ہوں طوفاں کا، تو ہے موجِ نسیم
مگر کمال ہے باوصفِ اختلافِ عظیم!

پناہ دی تجھے قدرت نے میرے پہلو میں
ملا نشاطِ دو عالم مجھے تری خو میں!!

ترے بغیر مکمل نہیں حیات مری!!
مرے بغیر ہے تاریک کائنات تری!

تو حسنِ زیست ہے، میں التہابِ ہستی ہوں!
تو ماہتاب ہے، میں آفتابِ ہستی ہوں!

رات کا فلسفہ

طلسم آرا ہے تاروں کی عظیم الشّان خاموشی!
فضائیں اونگھتی ہیں، دہر پر طاری ہے مدہوشی!
جہاں اِک خوابِ حیرت آفریں معلوم ہوتا ہے
خیالوں کی طلسمی سرزمیں معلوم ہوتا ہے
اگرچہ موت قابض ہو گئی ہے بزمِ ہستی پر
خموشی چھا گئی ہے ہر بلندی اور پستی پر!
مگر یہ وقفۂ آرام ہنگامہ بداماں ہے!
یہ شب صبحِ جنوں انگیز کی شورش کا مخزن ہے،
تھکاوٹ دور کرتی ہے حیاتِ مضمحل سو کر
اُٹھیگا زندگی کا شور و غوغا تازہ دم ہو کر!!!

حوادثِ پنہاں

وقت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا غرقِ خیال ! شب کے سنّاٹے میں اک مبہم سا اور اک مآل
نبضِ خاموشی سے روحِ زندگی چھنتی ہوئی کل کے ہنگاموں کی اک فہرست سی بنتی ہوئی
مضمحل اعضا میں اک نادیدہ قوّت کا ظہور ! ! سر میں تدوینِ فراست دل میں تالیفِ شعور
حُسن کی پژمردگی میں برق لہراتی ہوئی عشق کی ڈوبی ہوئی نبضوں میں جان آتی ہوئی
عقل کے اوہام تازہ دام پھیلاتے ہوئے ربطِ سود و زیاں کے تار تھرّاتے ہوئے
رات کے پنہاں حوادث کا مسلسل انہماک اک سکوتِ پُرفسوں میں شورشوں کا اشتراک
دہر کی تاریخ کا اک دن جنم لیتا ہوا ! ! وقت کی کشتی کو ملّاحِ ازل کھیتا ہوا !
ایک پُر اسرار خاموشی کا بحرِ بیکراں ! اور اس میں وقت کی "افسانہ خواں" کشتی رواں

نیند میں ڈوبی ہوئی ہر شے جنوں بر دوش ہے
رات کی خاموش دنیا حشر در آغوش ہے !

بیتے ہوئے دنوں کی یاد

بچھڑی ہوئی جوانی کیوں یاد آ رہی ہے
کیوں دل دھڑک رہا ہے کیوں جان جا رہی ہے

مستی بھری ہوائیں لہرا کے آ رہی ہیں!
اور روحِ مضمحل پر نشتر چلا رہی ہیں!! !

مدہوش چاندنی نے ناشاد کر دیا ہے!
ویران دل کو غم سے آباد کر دیا ہے!

گذرے ہوئے زمانے پھر یاد آ رہے ہیں
بھولے ہوئے فسانے پھر یاد آ رہے ہیں!

رنگین زندگی کے جلوے مچل رہے ہیں
دل میں اتر رہے ہیں، دل کو مسل رہے ہیں

اُف وہ نشاط کے دن اُف وہ خوشی کی راتیں
وہ پُر سرور آنکھیں، وہ کیف بار باتیں!! !

ہر سانس زندگی کا اک آتشیں فسانہ
ہر اک نفس کی لَو میں انوار کا خزانہ

ہر رات آسماں کو سر پر اٹھائے رہنا
اُلفت کے گیت گا کر دھومیں مچائے رہنا!

ہر روز مست رہنا، ہر شب شراب پینا
وہ بے دریغ پینا، وہ بے حساب پینا! !!

وہ شوق و آرزو کے ہیجان اب کہاں ہیں
وہ شادمانیوں کے طوفان اب کہاں ہیں

اک خوابِ دلنشیں سے بیدار ہو چکا ہوں!
دُنیا کے حادثوں سے دو چار ہو چکا ہوں

دعوتِ طرب

اے دوست! اُٹھ! اور چارۂ ہر دردِ نہاں کر
چوم آنکھ سے ساغر کو، نگاہوں کو جواں کر
فرقت کی سیہ رات کا جانسوز فسانہ
ساقی کی مہکتی ہوئی زلفوں سے بیاں کر

وہ رات

اب تک ہے یاد وہ شبِ مہتاب ہمنشیں!
جو بن کے رہ گئی ہے بس اک خواب ہمنشیں!
تیرے لبوں پہ چھپا ہوا اک سرور تھا
ہلکے سے اک لطیف تبسّم کا نور تھا!

مخمور چاندنی میں ترا پیکرِ حسیں
معلوم ہو رہا تھا کوئی خواب عنبریں!

اُمڈا ہوا تھا عرش سے اِک کیفِ سرمدی
پھیلی ہوئی تھی بربطِ زہرہ کی راگنی!!

تیری حسین زلفوں پہ تھی چاندنی نثار!
قربان ہو رہی تھی ترے جسم پر بہار!

زلفوں کی طرح بکھرے ہوئے تیرے ہار تھے
میرے حواس تیری نظر پر نثار تھے

تیری ہر ایک سانس میں تھی مے ملی ہوئی!
میرے جوان دل کی کلی تھی کھلی ہوئی!!!

میں تھا مِرا غرور تھا، اور تیری ذات تھی!
اے ہمنشیں وہ رات بھی کیا مست رات تھی

وہ رات پھر بھی آئیگی کیا پوچھتا ہوں میں!
اُس رات کی تلاش میں کھویا گیا ہوں میں

حوادثِ ناگزیر

مے دے کہ یونہی دہر میں رونا ہے ہمیشہ
تقدیر میں لکھا ہے جو، ہونا ہے ہمیشہ

مے پی کے ذرا دیکھیں ہم نور بھرے خواب
ظلمات بھری نیند تو سونا ہے ہمیشہ

اسرارِ حیات

چھا گیا ہے رات کا جادو جہاں پر ناگہاں
جھلملا اُٹھے ستارے آسمان پر ناگہاں !

ہلکا ہلکا ابر بھی چھایا ہے مغرب کی طرف
مضمحل سا کچھ سماں پیدا ہے مغرب کی طرف

بادلوں کی تیرگی ہیں چاند بھی ہے جلوہ گر
ظلمتوں میں دھیمی دھیمی روشنی ہے جلوہ گر !

شب کا استغراق اور ایّامِ رفتہ کا خیال
کس قدر رنگیں ہے صبح و شامِ رفتہ کا خیال !

گم ہیں سنجیدہ نگاہیں محفلِ افلاک میں
فکر کے موتی ہیں رخشاں دامنِ ادراک میں

کل فضائے دہر تھی معمورِ انوارِ طرب !!!
محفلِ دنیا نظر آتی تھی گلزارِ طرب !

آج لیکن ایک غمخانہ ہے بزمِ کائنات
ایک وحشت خیز ویرانہ ہے بزمِ کائنات

کیا ستم ایجاد دنیا کا یہی دستور ہے !
کل جو دل اک پھول تھا وہ آج اک ناسور ہے

اک روش پر ہی نہیں قائم نظامِ کائنات
ہے تغیر آشنا دائم نظامِ کائنات !!!

رنج ہے تو رنج میں آمیزشِ راحت بھی ہے
چار دن کی زندگی دوزخ بھی ہے جنت بھی ہے

محفلِ عشرت میں ہے سامانِ بزمِ غم کا بھی ساغرِ غم کی رگوں میں خوں ہے، جامِ جم کا بھی!

عارضی ہے رنج تو راحت بھی ہے ناپائدار آرزو فانی ہے اور حسرت بھی ہے ناپائدار

لیکن ان نیرنگیوں کی کوئی آخر حد بھی ہے آدمی کی زندگانی کا کوئی مقصد بھی ہے!

ایک ہنگامہ بپا ہے محفلِ آفاق میں! بجلیاں بیتاب ہیں خونِ دلِ آفاق میں

نعرہ زن ہیں ہاؤ ہو سے محفلیں ایام کی ہیں یونہی زور آزما آویزشیں اقوام کی!

ہے ازل سے دلشکن تقدیر کا آزار بھی ساتھ جس کے گرم ہے تدبیر کا بازار بھی

زیست کے ہاتھوں میں لیکن موت ہی کا جام ہے کیا ہماری زندگی کا اِک یہی انجام ہے

چونکتے ہیں قلبِ گیتی میں شرار ادراک کے یعنی دل بن کر دھڑک اُٹھتے ہیں ذرّے خاک کے

نغمہ زن ہوتا ہے خوابیدہ فضا میں سازِ غیب ناگہاں کانوں میں یوں آتی ہے اک آوازِ غیب

اے اسیرِ وہم! اے مسحورِ تنویرِ خیال سُن رہا ہے کتنی محویت سے تقریرِ خیال!

کیا گذر جاتے ہیں یونہی روز و شب تیرے لئے کیا نظامِ دہر ہے لہو و لعب تیرے لئے

بے خبر ہر لمحہ تیری عُمر کا نایاب ہے!!! بے خبر ہر لمحہ فردوسِ عمل کا باب ہے

بے نیازِ رنج و راحت ہو کے کوئی کام کر
جادوئے حسنِ عمل سے قلبِ گیتی رام کر!

ہو سکے تجھ سے اگر ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دے
غم کے آنسو پونچھ کر ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دے

جو یہاں اپنی ہی دُھن میں غرقِ بزمِ مدہوش ہے
اُس کی ہستی غم زدہ دنیا کو بارِ دوش ہے

بادۂ ناب

وہ شرابِ ناب پلا مجھے جو بہشتِ کیف و سرور ہو!
وہ شراب جس میں ذرا سا رنگ ہو، ہلکا ہلکا سا نور ہو!
وہ تجلّیات کی جان جس سے نظر میں نور جھلک اُٹھے
وہ تاثّرات کی آگ جس میں گدازِ شعلۂ طور ہو!

سکوتِ نیم شب

گذر گئی نصف شب، ستارے اُسی طرح جھلملا رہے ہیں !!
فلک کے زرّیں نگار خانے میں اپنے جلوے دکھا رہے ہیں

سکوت کی بے پناہ محویتوں میں ڈوبی ہوئی ہے دُنیا !!
سکوت کے میٹھے میٹھے نغمے جہاں کو بے خود بنا رہے ہیں !

فضاؤں میں منجمد ہیں نغموں کے سیل آشوبِ حسن بن کر
ہواؤں کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے بہارِ جنّت لٹا رہے ہیں

یہ معرفت پردہ طلسمِ جمال بن کر ڈھلک رہی ہے !!!
کہ فرش پر عرش کے مکیں چاندنی کے دریا بہا رہے ہیں!

وہ چرخ کی نیلی نیلی جھیلوں میں چاند کا زرنگار بجرا !
وہ چشمۂ نور جس کے سیلاب میں فرشتے نہا رہے ہیں!

وطن سے دُور ایک اجنبی سرزمین میں یہ جمیل منظر

مری نگاہوں سے خواب کی مستیوں کا جادو اڑا رہے ہیں!

خیال کی سحر کار کیفیتوں میں معدوم ہو گیا ہوں !! !

خیال مضراب بن کے دل کا حسین بربط بجا رہے ہیں ! !

کوئی ستمگار یاد آ کے دِل میں نشتر چبھو رہا ہے!

خبر نہیں جس کو یاد کرتا ہوں جاگتا ہے کہ سو رہا ہے !

جذباتِ محبّت

روح میں کیوں سما گئے ہو تم
میری ہستی پہ چھا گئے ہو تُم!

دل کو مجنون کر دیا تم نے
ہوش کا خُون کر دیا تم نے

دِل ہے مندر، تُم اسکی مورت ہو
ہائے! تم کتنے خوبصورت ہو!

دُور رہتے ہو ماجرا کیا ہے؛ جور بیجا سے مدعا کیا ہے!!
مجھ سے جتنا گریز کرتے ہو! میری وحشت کو تیز کرتے ہو!
دن کو گو ضبط کر لیا میں نے ضبط کر کر کے مر لیا میں نے
شب کو یہ خدمتِ محال کہاں رات کو ضبط کی مجال کہاں
رات کی حشر خیز خاموشی خامشی کی عمیق سرگوشی!
دِل سراپا خیال ہوتا ہے اور تمہارا جمال ہوتا ہے!!
رنگ لاتا ہے جوش آہوں کا! بہہ نکلتا ہے سیل اشکوں کا!
روح محوِ نیاز ہوتی ہے آنکھ وقفِ نماز ہوتی ہے!
کاش ایسے میں تم کبھی آؤ!! آ کے اِک بار دیکھ ہی جاؤ!

لیکن ایسے مرے نصیب کہاں
تم کہاں اور میں غریب کہاں

ایک لمحہ

بیخودی گھُل مل رہی ہے رفتہ رفتہ ہوش میں
جاگتا ہے اِک تصوّر ذہن کی آغوش میں!

اک تصوّر، زندگی کے اِک حسیں لمحے کا خواب
خواب جس سے ماند پڑ جائے طلوعِ ماہتاب!!

وہ مرے محراب در سے اِس طرح گذرے ندیم!
جیسے اک اجڑے ہوئے مندر میں داخل ہو نسیم!

آہ اس شاعر کا گھر جو ہو پرستارِ جمال!
ہوں سراپا نماز عشق کی جس کے خیال!

معبدِ ویراں نہیں تو اور کیا ہے ہمنشیں!
ایسا معبد جسکو کہئے اک مناجاتِ حسیں!

جسکے ہر ذرّے کو ہو اک دیوتا کا انتظار
جسکی ویرانی کا طالب ہو خدا کا انتظار!

شام کے حیران دھندلکوں میں تھا اک راز
اور خموشی سے ٹپکتی تھی محبت کی نماز!

میرے گھر کی شمع میرے عشق کی غماز تھی
ناتواں سی روشنی میں درد کی آواز تھی!!

روبرو بیٹھے تھے وہ میرے اور اُن کی ہر نظر
کر رہی تھی مجھ کو اسرارِ بقا سے باخبر!

آہ! اِدراکِ الوہیت کا حسنِ لازوال
مِٹ چکا تھا دِل سے اس دُنیا کا ہر فانی خیال

او زمانے! میرا وہ لمحہ بھی تیرے پاس ہے
اپنے روحانی خسارے کا مجھے احساس ہے

بہارِ شام

یہ نشہ فضا پہ محیط ہے کہ نظر رہینِ خمار ہے
یہ شفق کی لہر ہے جلوہ گر کہ خدنگِ ہوش فگار ہے

یہ بہارِ شام، یہ منظرِ لبِ جوئبار، یہ محویت
کوئی نغمہ مطربِ خوشنوا، ترا نغمہ جانِ بہار ہے

جوانی کا ملّاح

غمِ الفت کے طوفانی سمندر کا کنارا ہے! | کہ جس کی موج تنہا موت کا خونریز آرا ہے
یہ وہ وحشت کدہ ہے زلزلے جس میں مچلتے ہیں | یہ وہ مقتل ہے جس میں موت کے چشمے اُبلتے ہیں!
اندھیری رات اور طوفانِ ابر و باد کا منظر!! | یہ ہیبت زا فضا، یہ فطرتِ آزاد کا منظر!
گرج ہے بادلوں کی یا دہاڑیں ہیں یہ شیروں کی | فنا ہو جائیں جسکے خوف سے روحیں دلیروں کی!
یہ خونیں ابتدا کیا انتہا کا پیش خیمہ ہے | یہ کالی رات کیا روزِ جزا کا پیش خیمہ ہے
یہ نمرودوں کی بستی پر چڑھائی ہونیوالی ہے | کہ آپس میں خداؤں کی لڑائی ہونیوالی ہے
یہ بیٹھے بیٹھے کیا جوش آگیا ہے دیوتاؤں کو | دگرگوں کر دیا ہے سب سمندر کی فضاؤں کو
سمندر اتنا طوفانی ہے، ساحل ٹوٹ جائینگے | سمندر میں وہ طغیانی ہے ساحل ٹوٹ جائینگے

ارے یہ کون عورت ذات اُٹھی فرشِ ساحل سے | یہ کیسی حور پیدا ہو گئی ہے عرشِ ساحل سے

یہ ظلمت، یہ تلاطم، یہ فضا کی حشر سامانی
سفینہ لے چلی آغوشِ طوفاں میں یہ دیوانی!

اری ناداں ٹھہر جانا یہ کشتی ڈوب جائیگی!
یہ کشتی لوٹ کر پھر اس کنارے تک نہ آئیگی!

وارداتِ شب

دہر پر طاری ہے اک پُر امن اور خاموش رات
دامنِ راحت میں آسودہ ہے بزمِ کائنات!

روح کی تسکین کا حامل ہے دنیا کا نظام!
نرم رَو ٹھنڈی ہوا کا جانفزا دلکش خرام

کہکشاں، تاروں کی محفل، شب کی خنکی، کیف و نور
مست جلووں کا تبسم، تازگی، نکہت، سرور

اک رُوپہلے کیف میں بھیگی ہوئی سرگوشیاں
داستاں در داستاں کہتی ہوئی خاموشیاں

ایک گہرے سرمدی پیغام کی دھندلی سی ضو
بزمِ آب و گل میں انوارِ طرب کی مست رَو

کھل رہی ہیں دل کی آنکھیں اٹھ رہے ہیں سب حجاب
ہو رہا ہے رفتہ رفتہ روئے فطرت بے نقاب

نورِ راحت سے منوّر ہیں زمین و آسماں !!   ڈھل گیا ہے اک نئے سانچے میں کہنہ خاکداں

تفرقے معدوم جھگڑے ختم ہنگامے خموش !!   دورِ صلح و آشتی کیفیتِ صہبا فروش !

دیدنی ہے رات کی یکرنگ دنیا کا وقار   ہو گئے ہیں متّحد مزدور اور سرمایہ دار

ہمنشیں ہر چند بے پایاں ہیں غمہائے حیات   اک پرانا غمکدہ ہے یہ مکدّر کائنات

جتنے عقدے زندگی کے کھولتا جاتا ہوں میں   سب کی تہ میں غم کا گہرا فلسفہ پاتا ہوں میں

مل رہے ہیں جسقدر اسرارِ ہستی کے سراغ   بڑھ رہے ہیں عین اسی رفتار سے سینے کے داغ

ہو رہا ہے جو اضافہ دل کے معلومات میں   بھر رہا ہے آتشِ جانسوز محسوسات میں

ہمنشیں ہر چند نا مسعود دولت کے غلام   کر رہے ہیں بے محابا آدمیّت سوز کام

لٹ چکا ہے ہر غریب انسان کے دل کا قرار !   ہو چکا ہے دامنِ ضبط و تحمّل تار تار

بجلیاں لہرا رہی ہیں دہر کی تنظیم میں !!   عدل کا فقدان ہے سرمائے کی تقسیم میں !

پھر بھی اک شرحِ جلوۂ نورِ مسرّت کی ضیا! ہو ہی جاتی ہے زمانے کی جبیں پر رُونما

وہ نشاطِ روح جو اس بزم سے مفقود ہے رات کے راحت بھرے لمحات میں موجود ہے

گو زمانے کا ہر اک انداز خون آشام ہے دن کی مزدوری کا حاصل رات کا آرام ہے

باہمہ دردو الم، رنج و قلق، سوز و گداز ہو ہی جاتا ہے ہر اک انسان پہ در جنّت کا باز

کاش رازِ زندگی دنیا کے دل پر کھل سکے
چہرۂ گیتی سے گردِ نامرادی دھل سکے

بے بسی

مجبوریٔ اظہارِ حقیقت نہیں جاتی ! عادت تو چلی جاتی ہے فطرت نہیں جاتی !

شکوہ بھی ہے پیرایہ ترے ذکرِ حسیں کا ! بے بس ہیں ستمگر! تری الفت نہیں جاتی !

حدیثِ دوست

بزمِ انجم کی روشنی کی قسم
صبحِ خنداں کی تازگی کی قسم

آسماں کی نگاہ شاہد ہے!
قلبِ گیتی کی آہ شاہد ہے!

نصفِ شب کے سکونِ کامل ہیں!
خامشی کے فسونِ کامل ہیں!

جب جہاں محوِ خواب ہوتا ہے
ہر بشر گہری نیند سوتا ہے

دل میں اٹھتا ہے درد ہلکا سا
ہلکا ہلکا سا میٹھا میٹھا سا

ایک سرد آہ لب پہ آتی ہے
رُوح جیسے زباں ہلاتی ہے

بے خودی کی عمیق کیفیّت!
رات کی بے پناہ محویّت!

رُوح کو خواب سے جگاتی ہے
دوست کی داستاں سناتی ہے

ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے!
رُوح کی ان لطیف راہوں سے

چپکے چپکے گذر کے آتا ہے
اور مرے دل میں بیٹھ جاتا ہے

دل کی دھڑکن ہے گفتگو اُسکی
ہر نفس میں نہاں ہے بُو اُسکی

اُمید

گو زرع کا ہر نقش ہے دُھندلا مرے آگے
رہنے دو تم اپنا رُخِ زیبا مرے آگے
پرّاں ہے یونہی برق کی سُرعت سے ابد تک
اُمّید کی خوشیوں کا جزیرا مرے آگے

وطن کو مراجعت

دھڑک رہا ہے دلِ بے قرار سینے میں
لرز رہا ہے جنوں کا شرار سینے میں

ہر اک نگاہ سے پیدا ہے شوقِ دیدِ وطن
کشاں کشاں لئے جاتا ہے شوقِ دیدِ وطن

وہ کیف ہے، وہ خوشی ہے، وہ بیقراری ہے
رگوں میں خون کے بدلے شراب جاری ہے

جگر گداز ہے جذبات کی فراوانی
ذرا سا دِل ہے مگر اس میں اتنی طغیانی!

ٹھہر ذرا دِلِ وحشی ٹھہر خدا کے لئے
مجھے ہلاک مسرّت نہ کر خدا کے لئے
ٹھہر کہ ضبط کی حد سے نہ میں گزر جاؤں
خوشی سے راہ میں ظالم کہیں نہ مر جاؤں

وارداتِ امروز

افسونِ بے خودی کا عمل بیکراں ہے آج
دِل بے نیازِ ہستیٔ کون و مکاں ہے آج

ڈوبی ہوئی ہے وجد میں رفتارِ زندگی
اک کیف ہے کہ ہوش کی روحِ رواں ہے آج

کیا تذکرہ ہے ارض و سما کے وجود کا
ہر چیز محویت کے سوا بے نشاں ہے آج

رعنائیٔ مجاز میں ہیں وہ تجلّیاں !!
رعنائی مجاز میں گم سب جہاں ہے آج

اک پُر بہار و روح فزا جوئبار میں!
محوِ خرام کشتیٔ عمرِ رواں ہے آج

بیتاب ہے عناصرِ دل میں خوشی کی لہر
ہر سانس میں گدازِ مسرّت نہاں ہے آج

پھر کاروبارِ شوق کا بازار گرم ہے !!
پھر دِل سے محو کاوشِ سود و زیاں ہے آج

پھر افتتاحِ جلسۂ عیش و نشاط ہے!
پھر اہتمامِ زندگیٔ کامراں ہے آج

حُسن اپنے کیف و ناز سے سرشار ہے عدمؔ
عشق اپنے سوز و ساز سے آتش بجاں ہے آج

کوہسار

بسی ہوئی ہے مناظر میں روحِ حسنِ کہن !　　یہ سبزہ زار، یہ شاداب و پُر بہار چمن !

یہ کوہسار، یہ رنگین بادلوں کا وطن !

سیہ رداؤں میں لپٹے ہوئے پریخانے　　فضا کی گود میں سرمستیوں کے کاشانے

گھٹا کے لب پہ شباب و جنوں کے افسانے

بلند و پست پہ اک حسنِ سرمدی کا نکھار　　خنک سی دھوپ، فسوں خیز چھاؤں، روحِ بہار

طلسمِ جلوہ و طوفانِ رنگ و موجِ خمار !!

نہیں ہے حسن کے چہرے پہ کوئی پردۂ راز　　حقیقتوں سے ہم آہنگ ہے سرودِ مجاز

حواس کیف سے لبریز، روح نغمہ طراز



یادِ وطن

وطن کی پیاری پیاری سرزمیں سے دُور اے ہمدم
وطن کی ارضِ جنّت آفریں سے دُور اے ہمدم

مری خاموش اور سنسان راتوں کی فضاؤں میں
مری مدہوش اور ہیجان راتوں کی فضاؤں میں

بساطِ چرخ پر سجتی ہے جب محفل ستاروں کی
نظر آتی ہیں شکلیں ننھے ننھے ماہ پاروں کی

محیطِ آسماں جب بیخودی میں غرق ہوتا ہے
یہ تیرہ خاکداں جب بیخودی میں غرق ہوتا ہے

فلک سے تخت جب نیندوں کی پریوں کے اترتے ہیں
ہوا کے مست جھونکے دہر کو سرشار کرتے ہیں

سکوں جب حکمراں ہوتا ہے شورش گاہِ ہستی پر
خموشی ثبت ہو جاتی ہے ہنگاموں کی بستی پر

تو کوئی مطربِ نوخیز نغمے چھیڑ دیتا ہے
جنوں آموز، درد انگیز نغمے چھیڑ دیتا ہے

نوائیں وجد میں لہرا کے اٹھتی ہیں فضاؤں میں
فضائیں مست ہو کر ڈوب جاتی ہیں نواؤں میں

نہیں کچھ بھید کھلتا یہ فسونِ دلربا کیا ہے
طلسمِ صوت ہے کیا چیز اعجازِ نوا کیا ہے

یہ کیا شے ہے جو افسردہ امنگوں کو جگاتی ہے
یہ کیا شے ہے جو دل میں درد بن کر ڈوب جاتی ہے

وطن کی ارضِ جنت آفریں سے دور اے ہمدم
وطن کی پیاری پیاری سرزمیں سے دور اے ہمدم

یہ راتیں ہجر کے احساس کو بیدار رکھتی ہیں!
وطن کی یادیں مجھ کو جگر افگار رکھتی ہیں!

دریا

اپنے دامن میں لئے پُرجوش ہیجانوں کا شور
تُند موجوں کا تلاطم مست طوفانوں کا شور

ہر قدم پر ساحلوں کے دل کو دھڑکاتا ہوا
پتھروں کو پائے استغنا سے ٹھکراتا ہوا

جنگلوں میں آندھیوں سے گفتگو کرتا ہوا
بادلوں کے قہقہوں کی جستجو کرتا ہوا

بجلیوں کے ارتعاش آگیں تبسم پر نثار
اُودی اُودی بدلیوں کے حُسن کا آئینہ دار

چلچلاتی دھوپ کے ناز و ادا سہتا ہوا
تلملا کر مضطرب انداز میں بہتا ہوا

سبزہ زاروں کی حسیں زلفوں کو سلجھاتا ہوا
بیخودی کے کیف میں ہنستا ہوا، گاتا ہوا

چاندنی راتوں کے جلووں پر فدا ہوتا ہُوا
شمع رو تاروں کے جلووں پر فدا ہوتا ہُوا

صبح کے پُرنور جلووں کی ضیا سے فیضیاب!
شام کے خمخانۂ رنگیں کا سرمست و خراب!

سُست ملّاحوں کی ہمّت کو جواں کرتا ہُوا
ناخداؤں سے ذرا اٹھکھیلیاں کرتا ہُوا

مُسکراتا، کھیلتا، ہنستا، مچلتا، جھُومتا!
وجد میں آ کر کنارے کی جبیں کو چُومتا

مضطرب لہروں کے پیچ و تاب کا سرمایہ دار
مقتضائے سوزِ فطرت سے سراپا اضطرار

اپنی رگ رگ میں چھپائے زندگی کی کائنات
کامیابی سے کئے جاتا ہے طے راہِ حیات

شورشِ ہستی سے مل سکتا نہیں کیفِ جمُود
اضطرابِ زیست کا پیکر ہے دریا کا وجُود ۹

تاروں بھری رات

تاروں سے بھر گیا ہے دامن عروسِ شب کا
کیا بن سنور گیا ہے دامن عروسِ شب کا

افلاک کی جبیں پر تارے چمک رہے ہیں !
یا نیلگوں قبا میں موتی دمک رہے ہیں !

یا دل دھڑک رہے ہیں دنیائے آسماں کے
یا منتشر ہیں جلوے انوارِ بیکراں کے

یا رات کی جوانی جوبن دکھا رہی ہے !
دل کو لبھا رہی ہے دل میں سما رہی ہے

یا پھر زمیں کے جلوے گردوں میں آ گئے ہیں
لمعات جگنوؤں کے رفعت پہ چھا گئے ہیں !

جا کر یہ کون پوچھے، پُر نور آسماں سے !
یہ ننھے ننھے جلوے آئے ہیں کس جہاں سے

خاموشیوں کی نے میں جادو بھرا ہوا ہے
نغموں کا سحر نیندیں بن بن کے چھا رہا ہے

اک محویت ہے طاری ارض و سما کے دل پر
ملکِ فنا کے دل پر، ملکِ بقا کے دل پر

سرمست ہیں ہوائیں سرشار ہیں فضائیں !
پھیلی ہوئی ہیں شب کے انوار کی قبائیں !

دنیا کی محفلیں سب خاموش ہو گئی ہیں !
راحت کے جام پی کر مدہوش ہو گئی ہیں !

یا رات کی نگاہیں نیندوں سے بیخبر ہیں !

یا میری سرد آہیں نیندوں سے بیخبر ہیں !

نگاہِ شوق

تمہارے حسن کو میری نظر لگی ہے ضرور

کہاں ہو پہلے سے تبدیل ہو گئے ہو تم !

خدا کرے مری آنکھوں سے نور چھن جائے

نگاہِ شوق میں تحلیل ہو گئے ہو تم !

پروانہ

اے سراپا گداز پروانے　　مُلتہب عشقباز پروانے

بامراد اور کامگار ہے تُو!!　　مذہبِ عشق کا وقار ہے تُو!!

کیا ابد تاب ہے حیات تری!　　کیا منوّر ہے کائنات تری!

اُف ترے آب و گِل میں کیا شے ہے　　دل ہے سینے میں دِل میں کیا شے ہے

شمع خاموش جلتی رہتی ہے　　آگ کی لَو نکلتی رہتی ہے

پہلے اُس کا طواف کرتا ہے　　عشق کا اعتراف کرتا ہے

اور پھر بےخودی میں گُم ہو کر　　نشّۂ سرمدی میں گُم ہو کر!

خوب دِل کی لگی بجھاتا ہے　　شوق سے آگ میں نہاتا ہے

عشق نغمہ ہے اور ساز ہے تُو

وہ حقیقت ہے اور مجاز ہے تُو

"دھم دھم"

طبلے کی گرج میں بے پایاں احماق کی اک آبادی ہے

رومان و جنوں کی وادی ہے

خوابوں کے اندھیرے میں پنہاں

تخئیل کے تیرہ گوشوں میں!

اک برق سی ہے پیہم لرزاں

کس غار کے دل کی گونج ہے یہ وحشت کا تبسّم ہے جس میں

ساون کی اندھیری راتوں میں!

دریا کے جنونی دھارے پر

جیسے کوئی دیوانی عورت !

کشتی میں ہے تنہا محوِ سفر!

دھم دھم سے ہے کہ طوفاں اٹھتا ہے تاریک سمندر کی تہ میں !!

ہنستا ہے جنوں کا اک بادل !

اور ٹوٹ کے گرتے ہیں تارے

پُر ہَول فضا کے دامن میں !

اُف رقصِ جنوں کے نظّارے

دِل ڈوبتا جاتا ہے میرا سُن سُن کے نوائیں طبلے کی !

موجوں کے تھپیڑے ہیں گویا مجنون صدائیں طبلے کی !

وہ ماہتاب

آئے گا آج گھر میں مرے پھر وہ ماہتاب   اُمڈی ہوئی گھٹا کے سوالات کا جواب

جام و مے و رباب کا موضوعِ گفتگو   گاتی ہوئی ہواؤں کا رنگین مست خواب

بہار

ہواؤں میں خمار ہے فضاؤں میں نکھار ہے
جمالِ بے پناہ کا شرار بے قرار ہے

بھڑک رہی ہے زندگی جوانیوں کی آگ میں
جوانیوں کی آگ شعلہ زن ہے رنگ راگ میں

سرود و رقص کی صدا کہ میکدہ بدوش ہے
ہر اک نوائے زرفشاں کہ مست مے فروش ہے

لرز رہی ہے روح کے حسین نغمہ زار میں
جنونِ رقص کر رہا ہے دِل کے تار تار میں

بھگو دیا ہے ہوش کو بہار نے شراب میں
کہ ہوش جذب ہو گیا ہے اک حسین خواب میں

نیا نیا یہ شوق اور نئی نئی جوانیاں!
بہار بن کے جھومنے لگیں کئی جوانیاں!

بہار کے فسون سے حیات زرنگار ہے
مگر خزاں کا خوف اک پیامِ دِلفگار ہے

غمِ خزاں نہ سہہ سکے گا قلبِ مضمحل مرا!
بہار میں ہی ٹوٹ جائے کاش سازِ دل مرا!

خوابوں کی سرزمین

جس سرزمیں میں میرے خوابوں کی بستیاں ہیں　　جس سرزمیں کے منظر شاداب اور جواں ہیں!

اس سرزمیں کو لے چل وہ سرزمیں کہاں ہے

جس سرزمیں میں نغمے سانچوں میں ڈھل رہے ہیں　　موسیقیوں کے پرتو ہر سو مچل رہے ہیں

رنگین بدلیوں سے تارے نکل رہے ہیں

تاروں کی چھاؤں میں ہیں سوئی ہوئی فضائیں!　　نیندوں کے کیف میں ہیں کھوئی ہوئی فضائیں!

عشرت کے نور سے ہیں دھوئی ہوئی فضائیں

جو سرزمیں طرب زا نغموں کی سرزمیں ہے　　جس سرزمیں کی ہر شے شاداب اور حسیں ہے

جس سرزمیں میں غم کا مطلق گزر نہیں ہے

جس سرزمیں میں انساں مصروف گا رہے ہیں　　شام و سحر فرشتے نغمے سنا رہے ہیں!

یزدان و اہرمن بھی بربط بجا رہے ہیں!

ایک مکتوب

(پیارے دوست ملک محمد اسمٰعیل کے نام)



عزیز دوست! مرے دل میں بسنے والے دوست!

وہ دورِ زیست کہ جس سے گذر رہا ہوں میں
وہ تجرباتِ دل افگن جو کر رہا ہوں میں

لگا ہے نطق و تکلم میں آ نہیں سکتے
کہ لفظ بارِ معانی اٹھا نہیں سکتے

بہت سی سادہ و معصوم دلربا خوشیاں!
ہزار دلکش و شاداب و بے بہا خوشیاں!

ہوا تھا جن سے محبت کا افتتاح کبھی!
تھی جن کے دم سے درخشاں مری اک اک گھڑی!

گئی ہیں ایسی کہ ان کا نشاں نہیں ملتا
نشاطِ رفتہ کا رنگیں سماں نہیں ملتا

کسی نے شوق سے رودادِ آرزو بھی سنی!
مری فسردہ نگاہوں کی گفتگو بھی سنی

سکوت کا وہ تکلم جو ہے زبان دل کی!
وہ خامشی جو ازل سے ہے ترجمان دل کی!

وہ التجائے نظر جس کو عشق کہتے ہیں!
وہ اشک جن میں محبت کے درد رہتے ہیں!

مشاہدہ کیا اس نے تمام باتوں کا
مرے خموش دِلوں کا اداس راتوں کا!

اور اب بھی حال سے میرے وہ ناشناس نہیں!
نہیں کہ اسکو مرے دردِ دل کا پاس نہیں!

ہے احترام مرے عشق کا اسے دل سے!
خدا و بندہ یہ دو جزو ہیں محبت کے

مگر یہ ہیں ہمہ ربط و نیاز و صدق و صفا
ہمارے عشق کی رسوائیاں ہیں رنج فزا

عزیز دوست! یہ دنیا عجیب دنیا ہے
کہ حق کو بھی یہاں بدنامیوں کا کھٹکا ہے!

دِلوں کو ملتے ہوئے کون دیکھتا ہے یہاں
گلوں کو کھلتے ہوئے کون دیکھتا ہے یہاں

وہ چیز جس کا خدا احترام کرتا ہے
زمانہ اس کا ہمیشہ سے نام دھرتا ہے

زمانہ مار چکا مجھکو، کر چکا پامال!!
ہے سامنے مگر اپنی بقا کا اب تو سوال!

دبا ہوں جتنا، اب اتنا مجھے ابھرنا ہے
جدید شان سے تجدیدِ زیست کرنا ہے

کہوں گا اس کو، علے الرّغمِ اہلِ دہر، خدا
زبانِ خلق کی مجھ کو نہیں ہے اب پروا!
میں بے شعوریِ دُنیا پہ مسکراؤں گا!
کہ ہو کے دہر میں بدنام جھوم جاؤں گا!
جہان کی عقل کا کیا دخل میرے کاموں میں
مرے حسین جنوں میں لطیف شاموں میں!

جنونِ عشق پہ میں ناز کر کے چھوڑوں گا!
جہاں کو اب نظرانداز کر کے چھوڑوں گا!

اندوہِ فراق

بہت عمیق ہے جانسوزیِ فراقِ حبیب
ہُوا نہ رُوحِ تپاں کو کبھی سکون نصیب!
نسیمِ صبح نے پھر دِل کو کر دیا بیدار
لگی تھی پچھلے پہر آنکھ، سو گیا تھا غریب

شام کوہسار

بادلوں میں رنگ رنگوں میں بہاروں کا سماں
حسن و مستی کا تلاطم، لالہ زاروں کا سماں

چاندنی راتوں کی خنکی دھوپ میں حل کی ہوئی
بادلوں نے بحر کے دست کرم سے پی ہوئی

وقت نے اک روح پرور راگنی گائی ہوئی
شام کی پلکوں پہ ہلکی سی شفق چھائی ہوئی

کوہساروں کی روپہلی دھند رنگوں کے غبار
شعریت کی بستیاں رنگین خوابوں کے دیار

شام کے طلعت کدے میں اک فسونِ زرنگار
نکہتیں شاداب جلوے حسنِ فطرت کا نکھار

روح کے سرشار ہو کر جھومنے کی کیفیت
دل کی دھڑکن کو کسی کے چومنے کی کیفیت

خود فراموشی کا عالم مستیاں چھائی ہوئیں !
پاک نورانی امنگیں جوش پر آئی ہوئیں !

افسردگی

آتشِ جذبات کے طوفان یکسر مٹ گئے
وہ جنوں کے سیل، وہ ہیجان یکسر مٹ گئے

صحنِ گلشن میں وہ کلیوں کے چٹکنے کی صدا
مست باتیں تھیں کہ جاموں کے کھنکنے کی صدا
وہ گھٹائیں، وہ ہواؤں کے سنکنے کی صدا

وہ بہار و طلعت و رومان یکسر مٹ گئے

وہ حسیں سرشار راتیں اک فسانہ بن گئیں !
وہ نوائیں عہدِ ماضی کا ترانہ بن گئیں !

بزمِ مے میں گھومنے والی نگاہیں بجھ گئیں !
مست ہو کر جھومنے والی نگاہیں بجھ گئیں !
ساغروں کو چومنے والی نگاہیں بجھ گئیں !

عشرتیں افسردگی کا اک بہانہ بن گئیں !

پڑ گیا ہے زرد اب صہبا سے منہ دھویا ہُوا   سرد ہیں لب اور آنکھوں میں ہے غم سویا ہُوا!

نکہتیں اور رنگ اب الفاظِ بے مفہوم ہیں!

نغمہ و صہبا کی سب کیفیتیں معدوم ہیں!

میں بھی ہوں مغموم قلب و رُوح بھی مغموم ہیں!

بیدلی ہیں زیست کا احساس ہے کھویا ہُوا

رہگزارِ آفاق

ہزاروں مجھ ایسے ناتوانوں کو کھا چکی ہے زمین لیکن

نشانۂ ناوکِ حوادث ہیں سینکڑوں دِلفگار اب بھی !

سیاہ بختوں کے غمکدے میں ہنوز ماتم کی صف بچھی ہے !

نصیب والوں کی آرزوں کے قصر ہیں زرنگار اب بھی !

وہی ہوائیں، وہی فضائیں، وہی ترنّم، وہی تبسّم!
وہی امنگیں، وہی ترنگیں، وہی ہے جوشِ بہار اب بھی

خزاں کے گھر سے، بہار انگڑائی لے کے بیدار ہو رہی ہے
بہار کے بے ثبات جلووں سے ہے خزاں آشکار اب بھی

مٹا دیئے گردشِ فلک نے پُرانی تہذیب کے مراسم!
نئے تمدّن کی کوششوں سے ہے گرم اک کارزار اب بھی

حیاتِ جاوید کی تمنّا میں غرق ہیں سر بکف مجاہد!
فنا کی طاقت پہ مسکراتا ہے زندگی کا وقار اب بھی!

لُٹے ہیں اس راہِ پُرخطر میں ہزار ہا کاروانِ ہستی!
مگر ہیں جوشِ عمل میں پرّاں حیات کے راہوار اب بھی!

یہ شورشِ جاوداں تھمے گی عدم نہ اب تک کبھی تھمی ہے!
کہ منزلِ رہگزارِ آفاق خود بھی مصروفِ رہروی ہے!

بادل

مختلف الوان میں دھندلاہٹوں کا امتزاج — کوہساروں پر تخیل زاد رعنائی کا راج

مستیاں اور مستیوں میں عالمِ کیف و جنوں! — بادلوں کی خواب گوں دھندلی فضاؤں کا فسوں!

موجِ کیف و رنگ میں دامان سے اٹکے ہوئے — جسطرح پریوں کے آنچل خواب میں جھٹکے ہوئے

ابر بن کر ایک مے گوں راگنی چھائی ہوئی! — سب فضا اک گیت کے مانند لہرائی ہوئی

جھاگ کے مینار قائم رفعتوں کے دوش پر — یا سمندر کے تموج کا سماں پیشِ نظر

خود بخود رنگوں کا اک شہکار سا بنتا ہوا! — بادلوں کا پردۂ زرتار سا بنتا ہوا!

اک دھواں سا جس سے کیا کیا صورتیں بنتی ہوئیں — کیف و مستی کی روپہلی مورتیں بنتی ہوئیں!

آسماں اک نیلگوں پردہ ہے جس پر دمبدم!
وقفِ گلکاری ہے نقاشِ ازل کا موقلم

وادیٔ افلاس و محبّت

یہ کس پُر شور وادی کی فضائے فتنہ ساماں ہے
کہ جس کا ذرّہ ذرّہ عالمِ وحشت میں لرزاں ہے

بگولے اڑ رہے ہیں مشتعل ہو کر فضاؤں میں
ہلاکت مرتعش ہے مضطرب خونیں ہواؤں میں!

وہ ظلمت ہے کہ ہیبت کا فرشتہ کانپ جاتا ہے
وہ تاریکی ہی شیطانوں کا دل بھی خوف کھاتا ہے

فلک پر آتشیں سانپوں کے لہرانے کی حد ہو گی
کہ مجلس بجلیوں کی آج ہو گی منعقد کوئی!

لرز کر جگمگا اٹھی ہے جنگل کی فضا ساری
چمک کر تھرتھرا اٹھی ہے جنگل کی فضا ساری

ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ جنگل سانس لیتا ہے
فضا کی گنگناہٹ ہے کہ جنگل سانس لیتا ہے

یہ پُر اسرار وادی کوئی طوفانوں کی بستی ہے
یہ آفت گاہ دہشت خیز ہیجانوں کی بستی ہے

یہ سیلابِ فنا کا ارتعاشِ بیکراں توبہ
یہ افلاس و محبّت کا تلاطم، الاماں، توبہ!

معاذاللہ! خدا بھی آدمی بن کر اگر آئے
فنا ہو جائے افلاس و محبت کے تھپیڑوں سے

راوی کے کنارے

سطحِ راوی پہ حکمراں ہے سکوت
ساتھ امواج کے رواں ہے سکوت

پُرسکوں ہیں فلک کے نظّارے
آسماں پر خموش ہیں تارے

چاندنی کی بہار ساکت ہے
جلوۂ زرنگار ساکت ہے!

خواب آور سماں ہے پیشِ نظر!
حسن کا اک جہاں ہے پیشِ نظر!

حسن ہی حسن ہے فضاؤں میں!
کیف ہی کیف ہے ہواؤں میں!

مست بیٹھا ہوں اک کنارے پر
اور نظر ہے خموش دھارے پر

ایک حیرت سی دل پہ چھائی ہے
بیخودی روح میں سمائی ہے

فکرِ فردا و رنجِ دوش نہیں!
کوئی احساس کوئی ہوش نہیں!

حسنِ فطرت میں کھو گیا ہوں میں
ہمہ تن جذب ہو گیا ہوں میں

عقل و عشق

سطح بیں تجھ کو نہیں معلوم اسرارِ حیات ! دیکھتا ہے عقل کی آنکھوں سے انوارِ حیات
عقل کیا ہے ذہنِ انساں کے تدبر کا جمال ! عقل کیا ہے صنعتِ غور و تفکر کا جمال !
عقل جز فکرِ تحیر آفریں کچھ بھی نہیں ! عقل کا سحرِ دل آویز و حسیں کچھ بھی نہیں !
زندگی اعمال کے آتشکدے کا نام ہے زندگی جوشِ جنوں کے ولولے کا نام ہے

مانگ پروانے سے ذوقِ احترامِ زندگی ! سیکھ اہلِ عشق سے رازِ دوامِ زندگی ! !
عشق کیا ہے ! عقل کی گمراہیوں پر تبصرہ ! خود شناسی کا جوان اور غیر فانی فلسفہ !
عشق کیا ہے ! زیست کی قوت کا احساسِ کمال ! دل کی ہمت، روح کی عظمت کا احساسِ کمال !
عشق کی دیوانگی، فرزانگی کی جان ہے عشق کی وحشت، جلالِ زندگی کی شان ہے
توڑ دیتا ہے جنونِ عشق، قانونِ فنا ! سرد ہو جاتا ہے رعبِ عشق سے خونِ فنا !

گو تدبّر بھی ہے قوموں کی ترقی کا کفیل !! گو خرد کی روشنی بھی ہے ہدایت کی دلیل !
لیکن اے ہمدم! گدازِ قلبِ ہستی کی قسم مجھ کو صہبائے غمِ ملّت کی مستی کی قسم !

عشق میں مضمر ہیں اسرارِ دوامِ زندگی !
عشق سے ہوتی ہیں قومیں شادکامِ زندگی !

موسیقی

کتنا عجیب ساز ہے کتنا لطیف راگ
ساقی! شنیدنی ہے ترے جام کی کھنک

دعوتِ رنگیں

چلئے پھر آج خود کو نمایاں کئے ہوئے
اہلِ نظر کی عید کا ساماں کئے ہوئے

بربط کی روح نطق کے سانچے میں ڈھال کر
گفتارِ جانفزا کو گُل افشاں کئے ہوئے

مخمور انکھڑیوں میں بہاریں سمیٹ کر!
مخمور انکھڑیوں کو گلستاں کئے ہوئے

پلکوں کی جنبشوں سے دِلوں کو ٹٹول کر!
روحوں میں شمعِ عشق فروزاں کئے ہوئے

سینوں میں بجھ چکے ہیں محبّت کے جو کنول!
ان کی حیاتِ تازہ کا ساماں کئے ہوئے

المختصر تصرّفِ حسن و شباب سے!!
تخلیقِ عشق و کارِ نمایاں کئے ہوئے

بُت بن کے دیکھتا رہے پھر آپ کو عدمؔ!
ہر اک نظر میں روح کو عریاں کئے ہوئے

سرِ راہے

اک نازنیں، نگاہ میں جادو لئے ہوئے
ہر اک نفس میں نکہت و خوشبو لئے ہوئے

تھی محوِ سیرِ باغ میں اور جا رہا تھا میں !
دل میں کسی خیال کو سلجھا رہا تھا میں ! !

گو زور ڈالتا تھا طبیعت پہ بار بار !
ہوتے نہ تھے معانیٔ جاں بخش آشکار !

گذری جو دیکھتی ہوئی مجھ کو وہ پاس سے !
موسیقیاں سی ہونے لگیں مس جو اس سے !

بے اختیار ذہن میں کلیاں چٹک اٹھیں
دل باغ باغ ہو گیا آنکھیں چمک اٹھیں !

ادراک کے نقوش ابھرنے لگے تمام
فکرِ رسا کے رنگ نکھرنے لگے تمام

امڈا جو دل سے شعر کا طوفاں کیا کہوں !
اس نو بہارِ ناز کا احساں کیا کہوں !

میری ہر اک نگاہ میں موتی پرو گئی !
اس کے طفیل ایک حسیں نظم ہو گئی !

خالد!

آہ! اے اک غمزدہ شاعر کی تسکینِ حیات
زندگی کی ایک چھوٹی سی منوّر کائنات!

امن کی اک پُر سکوں دنیا ہے گہوارا ترا
شورشوں کی دسترس سے دور ہے جھولا تیرا

تیری میٹھی نیند کے دامن میں کوئی حور ہے
تیرا سپنا خُلد کے انوار سے معمور ہے!

جھول لے جی بھر کے جھولے میں اٹھا لے لطفِ خواب
اے مرے لختِ جگر آنیکو ہے اک انقلاب

تلخیاں ہی تلخیاں ہیں گردشِ ایّام میں!
جھولنا ہے کل تجھے گہوارۂ آلام میں!

عہدِ طفلی کا رو پہلا خواب ہے ناپائدار
دیکھنی پڑتی ہے انساں کو جفائے روزگار

پیارے خالد! تجھکو آئیگی دنیا ہوش میں!
کھولنا ہے آنکھ تجھکو حشر کے آغوش میں!

امتحانِ عزم و استقلال کرنے کے لئے
ناتواں انسان کو پامال کرنے کے لئے

گرم ہے آفات کا بازار ازل سے دہر میں!
سرخرو ہوتے ہیں وہی ہمّتِ عمل سے دہر میں!

اک مجاہد بن کے میداں میں اترنا ہے تجھے
زندگی کے حادثوں سے جنگ کرنا ہے تجھے

رات

جاگ اٹھی انجمن ستاروں کی
سج گئی بزم ماہ پاروں کی !
ٹھنڈی ٹھنڈی ضیائیں پھیل گئیں!
چاندنی کی قبائیں پھیل گئیں!
سو گئی کائنات کی شورش
عالمِ بے ثبات کی شورش
نیند کی سحر کار خاموشی !
رات کی شاندار خاموشی !
چھا گئی شش جہاتِ عالم پر
وارد گیرِ حیاتِ عالم پر
جذب ہیں مستیاں ہواؤں میں
کیف مستور ہے فضاؤں میں !
خامشی میں سرود کی لے ہے
زخمہ پیرا سکوت کی نے ہے

چاند سے سیلِ نور جاری ہے ۔۔۔ راحتوں کا سرور طاری ہے
جنگلوں کی فضائیں سوئی ہیں! ۔۔۔ طائروں کی نوائیں سوئی ہیں!
کشتیاں چپ ہیں بادباں چپ ہیں ۔۔۔ اور پُر نور آسماں چپ ہیں!

غم کی جانسوز آگ سوئی ہے! ۔۔۔ رشک سویا ہے لاگ سوئی ہے!
جوشِ ہنگامۂ خوشی چپ ہے! ۔۔۔ شورِ پیکارِ زندگی چپ ہے!
الغرض سب جہان سویا ہے
نیند کی مستیوں میں کھویا ہے

رعنائیٔ خیال

کیا آب و تابِ فکر ہے کیا طلعتِ خیال ! — پھیلا ہُوا ہے ذہن میں ادراک کا جمال !

کیا لحنِ دلنواز سماعت فروز ہے ! — اک حسنِ سحر کار ہے صورت گرِ خیال !

شمعیں سی جل رہی ہوں دھندلکوں میں جسطرح — یوں عالمِ خیال میں ہے بارشِ جمال !

راتوں کی کائنات بھی کیا کائنات ہے ! — نیندوں کا اک غبار، ستاروں کا ایک جال !

بربط نواز کون ہے تاروں کے حسن میں ! — جذبات کر رہے ہیں ادراک سے سوال !

کتنی لطیف ہے مہ و پروین کی راگنی ! ! — لہرا رہے ہیں دل کے افق پر حسین خیال !

لہرا رہے ہیں دل کے افق پر حسین خیال ! — نکھرے ہوئے ہیں حسنِ تصوّر کے خدّ و خال !

کتنی کہانیاں ہیں ادھوری پڑی ہوئی ! — کتنی حکائیتیں ہیں ابھی تشنۂ مآل !

رعنائیٔ خیال کی تفسیر کیا لکھوں !

رعنائیٔ خیال کی تفسیر ہے محال !

جنونی گیت

رباب دل کے تاروں کو چھُوا مضراب وحشت نے کیا احساس کو زیر و زبر سیلابِ وحشت نے
رگ و ریشہ میں دوڑیں مضطرب سیماب کی لہریں لہو کی گرم موجیں بن گئیں زہراب کی لہریں!

ستاروں کی عظیم الشان وادی جگمگاتی ہے کہ ہو کر ریزہ ریزہ برقِ مضطر تلملاتی ہے
ستارے ناچتے ہیں اور سازِ ماہ بجتا ہے وہ موسیقی ہے جس میں موت کا بادل گرجتا ہے
مرے اللہ! شعلے کیوں نکلتے ہیں نواؤں سے جنوں کی بجلیاں گرتی ہیں دیوانی صداؤں سے
یہ زخمی سانپ کے مانند بل کھاتے ہوئے نغمے یہ لہراتے ہوئے نغمے یہ تھراتے ہوئے نغمے
یہ نغمے آگ بن کر کیوں مری رگ رگ میں بستے ہیں! یہ نغمے میرے احساسات کی روحوں کو ڈستے ہیں!

ہُوا جاتا ہوں یکسر مشتعل سوزِ فراواں سے!
ابھی نکلے گا نغمہ موت کا تارِ رگ جاں سے!

جلوہ ہائے رنگا رنگ

ازل سے یہ جلوہ گاہِ آفاق رازِ حیرت فزا رہی ہے!

عقول و اذہان کے تجسّس پہ بے بسی مسکرا رہی ہے!

فلک کی تاروں بھری فضاؤں میں حسنِ تخلیل ہو رہا ہے

زمیں کو نیندوں کی بانسری بے خودی کے نغمے سنا رہی ہے

ہزاروں حیرت کدے جھلکتے ہیں دہر کی ایک ایک روش میں!

بہارِ گل جلوہ گر تھی جس جا خزاں وہاں خاک اڑا رہی ہے!

کہیں مسرت کے قہقہوں میں حیات کا دل دھڑک رہا ہے

کہیں فغاں کے حجاب میں موت اپنا بربط بجا رہی ہے

سکوت کے دل میں شورشوں کے لہو کا چشمہ ابل رہا ہے

خموشیوں کے فسوں سے نعروں کی مست آواز آ رہی ہے

چھپی ہیں بیتاب طلعتیں، شب کے دامنِ ظلمت آفریں میں!
سیاہیوں کی زباں ضیائے سحر کا قصہ سنا رہی ہے

بصارتِ سطح بیں پہ ہنستی ہے وسعتِ جلوہ ہائے عالم!
ہر ایک جلوے میں حسنِ صد رنگ کی جھلک تھرتھرا رہی ہے

مشاہدہ اجتماعِ اضداد پر تعجّب میں کھو گیا ہے ! !
کہ دھوپ کے ساتھ برسات رنگ رلیاں منا رہی ہے!

ہزاروں نظروں کی روشنی غرق ہے تحیّر گہ جہاں میں!
نوائے احساس عہدِ ماضی کے سب فسانے سنا رہی ہے

نگاہ کو کامگارِ نظّارہ ہائے آفاق کر رہا ہوں!
کہ میں بھی کچھ دیر کے لئے وادئ جہاں سے گزر رہا ہوں

صحرائے عرب

فسونِ شب ہوا باطل سحر کی روشنی پھیلی!   ہوا جنبش میں آئی اور فضا میں زندگی پھیلی!

فلک پر مہرِ عالمتاب کا ساغر چھلک اٹھا   شرابِ نور سے پیمانۂ عالم چمک اٹھا

عرب کے خشک صحراؤں کا وحشت خیز منظر ہے   بیابانوں کی خاموشی کا وحشت خیز منظر ہے!

یہاں کے ذرّے ذرّے سے جہنّم تھرتھراتا ہے   وہ گرمی ہے وہ سوزش ہے کہ سورج کانپ جاتا ہے

بگولے جوش کھا کر آسماں سر پر اٹھاتے ہیں!   منظّم ہو کے ذرّے خاک کے طوفاں مچاتے ہیں

ذرا ان پرسکوں فتنوں کو آتش جذب کرنے دو   ذرا خورشید کو ذرّوں کے سینے میں اترنے دو

بساطِ خاک سے شعلوں کے چشمے پھوٹ نکلیں گے   زمیں سے آتشیں موجوں کے چشمے پھوٹ نکلیں گے

یہ وہ آتشکدہ ہے جس سے دوزخ لاگ رکھتا ہے   یہ وہ صحرا ہے جو سو دوزخوں کی آگ رکھتا ہے

غضب ہے کارواں پھر بھی یہاں پر آتے جاتے ہیں   مسافر ہیں کہ اپنی ہمتوں کو آزماتے ہیں!

یہ انساں کون ہیں جو آگ میں خود کود پڑتے ہیں! یہ ناداں کون ہیں جو آگ کے اژدر سے لڑتے ہیں!

مجھے بھی لے چلو الفت کے متوالو اسی بن میں! مجھے بھی لے چلو اے قافلے والو اسی بن میں!

مجھے بھی آتشیں دریا کی موجوں میں نہانا ہے

مرے عنصر کو بھٹی میں جل کر رنگ لانا ہے

محفلِ شب

رات استغراق کے چشمے ہیں جس کی گود میں! خوابِ رنگا رنگ کے جلوے ہیں جس کی گود میں!

اپنی مستانہ اداؤں سے ہوئی ہے جلوہ گر! لگ گئی ہے مہرِ خاموشی لبِ افکار پر

رات کی پُر نور محفل کے نظارے جاگ اٹھے! حسن کے جلووں سے مالا مال تارے جاگ اٹھے

آسماں کی گود روشن موتیوں سے بھر گئی! یا کوئی مالن فلک پر پھول چُن کر دھر گئی!

شورشیں خاموشیوں کے جام پی کر سو گئیں رات کی کیفیتیں ہر سمت زندہ ہو گئیں

باغ سے خوشبو اڑا کر لائی ہے ٹھنڈی ہوا صحنِ گلشن سے گزر کر آئی ہے ٹھنڈی ہوا

کیا حسین راتیں ہیں اور پردیس میں بیٹھا ہوں میں بے رفیق و آشنا بے بس و تنہا ہوں میں

کون آئے گا رخِ روشن دکھانے کے لئے کون آئے گا غمِ فرقت مٹانے کے لئے

دل سے باتیں کرتے کرتے یونہی چپ ہو جاؤں گا

نیند آنکھوں میں سما جائے گی اور سو جاؤں گا

لغزشِ گناہ

اٹھایا ہاتھ میں چابک مہابت کے فرشتے نے نکالیں طیش میں آنکھیں ہلاکت کے فرشتے نے

جگایا خوف نے پُرشور طوفانوں کی روحوں کو قیامت خیز و دہشتناک ہیجانوں کی روحوں کو

افق سے ایک سیلِ بیکراں اٹھا سیاہی کا! یکایک آسماں پر کھنچ گیا نقشہ تباہی کا!
چمکتی اور کڑکتی بجلیوں نے پیچ و خم کھائے گرجتے اور برستے بادلوں کے قافلے آئے
بڑھے ہر سمت سے طوفان اک ہیبت فشاں ہو کر دہل اٹھی فضا اک حشر زارِ الاماں ہو کر
کہا ہاتف نے اب دنیا کی شامت آنیوالی ہے قیامت آنے والی ہے قیامت آنیوالی ہے

یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر دریا کے ساحل پر! یکایک چھا گئی دہشت کسی انسان کے دل پر!
وہ سمجھا سب نتیجہ ہے یہ اس کی روسیاہی کا تہیہ ہو رہا ہے غیب میں اس کی تباہی کا
نہیں منظور طولِ شیطنت ہرگز خداؤں کو بہت طیش آگیا ہے سرکشوں پر دیوتاؤں کو
ہراس موت بن کر چھا گئی دیوانگی اس پر مسلط ہو گئی اک روح فرسا کپکپی اس پر

اتر آتا ہے دل میں عکس یونہی غیضِ فطرت کا
جہنم کیا ہے اک احساسِ جانسوز اپنی ذلت کا ۲

تڑکا

ہوا کا ایک جھونکا تڑکے تڑکے نیند سے چونکا
کنارِ آب سے آنکھوں کو جب ملتے ہوئے گذرا

تو بولا کُہر سے ہٹ جا، بھرے رستے کو خالی کر
سمٹ جا، دُور ہو، چھٹ جا، مرے رستے کو خالی کر

ملا جب راستے میں کشتیوں کے بادبانوں سے
جو باتیں کر رہے تھے بیخودی میں آسمانوں سے

تو ملّاحوں سے بولا، اے جوانمردو! اٹھو، جاگو!
یمِ خاموش کو موج آفریں کر دو، اٹھو، جاگو!

مخاطب ہو کے جنگل کے پرندوں سے لگا کہنے
تمہارے سحر زا نغمے ہیں صحنِ دشت کے گہنے

اٹھو! اے ننھے ننھے مطربو! اب ہوش میں آؤ
ترنّم ریز ہو کر سارے بن کو وجد میں لاؤ

جو پہنچا لہلہاتے سبزہ زاروں کی بہاروں میں
درختوں کی زمرّد پوش نازک شاخساروں میں!

تو بولا، اے حسینو! اپنے طُرّوں کو ذرا خم دو
پری رو نازنینو! اپنے طُرّوں کو ذرا خم دو!

کہ مشرق سے ابھی جھانکے گی شہزادی سویرے کی!
نویدِ صبح دیتی ہے پریشانی اندھیرے کی!

وہی جھونکا مگر جب شہرِ خاموشاں میں جا پہنچا
تو ٹھنڈی سانس لیکر اور جگر کو تھام کر بولا!

نہیں، تم سو رہو، تم کو ابھی آرام کرنا ہے
تمہیں محوِ سکوں رہ کر سحر کو شام کرنا ہے

(ماخوذ از لانگ فیلو)

عیشِ شبانہ

رات آ گئی ہے عیشِ شبانہ لئے ہوئے
سازِ طرب کا مست ترانہ لئے ہوئے!
ٹھنڈی ہوا کی نرم و سبک سیر رَو کے ساتھ
جنّت کا بھولا بسرا فسانہ لئے ہوئے!
تاروں کے جا نفروز و حسیں جلوہ زار میں!
چھوٹا سا خوش خرام زمانہ لئے ہوئے!
نیندوں کے کیف بخش و طرب ناک دَور میں!
موسیقیوں کا ایک خزانہ لئے ہوئے!
آنکھوں میں پھر رہے ہیں گذشتہ دنوں کے خواب
رنگیں فراغتوں کا زمانہ لئے ہوئے!

کیا جلد، زود باز جوانی، گذر گئی!!
میری مسرّتوں کا خزانہ لئے ہوئے!

مشاہدات

برف باری ہو اگر افزوں تو کچھ پروا نہیں ! — اور جم جائے رگوں میں خوں تو کچھ پروا نہیں !
سخت جاڑے کے مہالک کا نہیں کوئی خیال ! — جو مصیبت آئے آنے دو نہیں اصلا ملال ! !
موسم سرما کی جاں فرسا ہواؤ ! تم چلو ! — رحم سے لبریز ہو کر تھم نہ جاؤ ! تم چلو !
کیوں کہ تم ہی باعث دلدوزیٔ انساں نہیں — کیوں کہ تم جو کچھ بھی ہو اتنی ضرر ساماں نہیں !

آہ جتنا دوستوں کی سرد مہری کا اثر !

آسماں کی گردشو ! جاری رہو، جاری رہو — دہر کی نیرنگیو ! جاری رہو، جاری رہو !
منتشر ہو جائے گو شیرازۂ بزم حیات — شاکی جور حوادث ہی رہے سب کائنات
روشناس کیف راحت ہو نہ گو کوئی بشر — تم مگر قائم رہو اپنے طریق کار پر !!
کیونکہ تم ہی موجب رنج و پریشانی نہیں — کیونکہ تم ہی ایک سرگرم ستم افشانی نہیں !
اہل دنیا کی ریاکاری ہے تم سے تلخ تر

(ماخوذ از شکسپیر)

انجام

روح کی بے چینیوں میں ایک دن کھو جاؤں گا !
ارتقائے فکر کی وسعت میں گُم ہو جاؤں گا !

دردِ دل کی ابتدا سے ہی مجھے معلوم ہے!
اک نہ اک دن میں سراپا دردِ دل ہو جاؤں گا

پڑ گیا ہے دل کو لپکا غیر فانی سوز کا ! !!
ہلکی ہلکی آنچ میں جل کر فنا ہو جاؤں گا ! !!

جاگ لینے دے مجھے راتوں کو فکرِ شعر میں
نیند جب آئی ہمیشہ کے لئے سو جاؤں گا!

نغمہ ہائے درد کا سازِ شکست انجام ہوں
اتفاقاً ٹوٹ کر اک روز چُپ ہو جاؤں گا !

آتشکدہ

غزل عشق و محبت کی زباں کا نام ہے، یعنی !
براہِ راست میرے دل نے اُن کی گفتگو کی ہے

غزلیات

آگہی کے فیض سے سادہ دِلی جاتی رہی
ہر فریبِ آرزو کی دلکشی جاتی رہی!

دِل کو تیری ذات سے جو ربطِ پنہاں تھا کبھی
وہ تو اب بھی ہے مگر اس کی خوشی جاتی رہی

چھوٹی چھوٹی رنجشیں اِک حادثہ سا بن گئیں
چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے دوستی جاتی رہی!

انقطاعِ رسم و راہِ دوستی سے اے عدمؔ!
شکر ہے اِک بے وفا کی بدظنی جاتی رہی!

دیکھنا کیا دادِ کافر ماجرائی دے گئے
دے کے اِک جھوٹی تسلی سب خدائی دے گئے

اِک نظر پھر خوفِ رسوائی کا رُخ پر انعکاس
حالِ دل کہہ کر وہ دادِ پارسائی دے گئے

کیسے کیسے دوست تھے جو بادلِ ناخواستہ
دوستوں کو ایک لافانی جدائی دے گئے

مسکرا کر مجھ کو دیکھا اور نگاہیں پھیر لیں!
جانے جاتے خوب دادِ آشنائی دے گئے

کیا کہوں اُن کو عدمؔ! جو یونہی ازراہِ مذاق
میرے دل کو لذتِ غمِ آشنائی دے گئے

ہائے کیا بیداد پر بیداد کر لیتا ہوں میں
شامِ غربت میں وطن کو یاد کر لیتا ہوں میں

حوصلہ پیہم حوادث اور تمہیدِ دعا!
گاہے گاہے کیا ستم ایجاد کر لیتا ہوں میں

ضبط مشکل ہے خلافِ ضبط ننگِ عشق ہے
دل ہی دل میں بیٹھ کر فریاد کر لیتا ہوں میں!

چاندنی راتیں، محبت اور جوانی، ہائے ہائے!
تھام کر دل اُن دنوں کو یاد کر لیتا ہوں میں

اب کہاں پینے کا پہلا سا وہ لطف اے ہمنشیں
اب ذرا تعظیمِ ابرو باد کر لیتا ہوں میں!

یہ نہیں مجھ کو خبر کیا ہے حقیقت کیا مجاز!
دیکھ کر ان کو خدا کو یاد کر لیتا ہوں میں!

اِک نہایت خوشنما دھوکا مجھے دے دیجئے
پھر فریبِ وعدۂ فردا مجھے دے دیجئے

اور کیا بخشینگے اِک تقدیر کے مارے کو آپ
عشق اور رسوائی دنیا مجھے دے دیجئے

شیخ صاحب آپ کو تکلیف تو ہوگی ضرور
اِک ذرا وہ ساغرِ صہبا مجھے دے دیجئے

زندگی میں کوئی دلچسپی تو ہونی چاہئیے
ہو سکے تو پھر کوئی دھوکا مجھے دے دیجئے

بیدلی تمہیدِ مرگِ ناگہاں ہو جائے گی !!
لامحالہ ختم غم کی داستاں ہو جائے گی

ہے یقینِ بے سر و پا پر مدارِ آگہی
عقلِ ہر تحقیق سے خود بدگماں ہو جائیگی!

آہ! ناداتوں کی بے تابی کا عالم دیکھنا!
جیسے ہر تدبیر جنبشِ جاوداں ہو جائے گی

ہر گماں ہو جائیگا خلّاقِ عرفان و یقیں
ہر یقیں کی انتہا وہم و گماں ہو جائیگی!

ہے یہی سود و زیاں تو میری افسردہ دلی
بے نیازِ معنئ سود و زیاں ہو جائیگی!

اشعار

گردشِ ایّام سے فرصت ملے تو ایکدن
کھول کر دل گردشِ ایّام کی باتیں کریں!

شام ہے آؤ لبِ جو بیٹھ کر اک دو گھڑی
کچھ پئیں کچھ گردشِ ایّام کی باتیں کریں!

او زمانے! انقلابِ بے محل پیدا نہ کر
دردمندوں کے مشاغل میں خلل پیدا نہ کر

موت کی خواہش تو ہے لیکن یہ غم بھی ساتھ ہے
دوستوں کے درد کی بنیاد ہو جاؤنگا میں!

بھول جاؤ گے بس آغازِ محبّت کرکے تم
اور تمہارے عشق میں برباد ہوجاؤنگا میں !

ساقیا! کیفِ مسرّت میں ہوں میں رعشہ بکف
یا ترے ساغر کو شوقِ لغزشِ مستانہ ہے

ہر قدم پر اک نئی امید رہبر بن گئی !
کس قدر آسانیاں نکلیں مری مشکل کے پاس !

جستجوؤں پر ثباتِ زیست کا ہے انحصار !!
جستجوئیں ختم ہوتی ہیں تو مرجاتا ہوں میں !

یونہی کچھ بے ساختہ اُن پر مجھے پیار آگیا !
یونہی کچھ بے ساختہ اُن سے محبت ہوگئی

کونسی راحت پہ ہو آبِ بقا کی آرزو !
موت ہوجائیگی عمرِ جاوداں میرے لئے

ناخدائے دل کو موجوں سے یہ کیسا ربط ہے
ماہئی بے آب ہوجاتا ہے ساحل دیکھ کر

عشق ہے فطرت شناسِ دل اسی سے پوچھئے
کس قدر وسعت کا مالک کس قدر گہرا ہے دل

وارداتِ عشق و الہامِ محبت کی قسم
حاصلِ دنیا ہے دل سرمایۂ عقبےٰ ہے دل

وہ دِل جو مسرّت کا خوگر تھا پیارے! وہ دل آج غم آشنا ہو گیا!
جوانی کا موسم فنا ہو گیا! عشرتوں کا زمانہ ہوا ہو گیا! !!

نہ جینے میں لذّت، نہ مرنے میں کچھ لطف، یہ زندگی بھی ہے کیا زندگی!
مری روح پر پڑ گئی کہر سی کیوں، مرے دل کو اللہ! کیا ہو گیا!

تمہارے تبسّم میں پنہاں ہے جو بات، مفہوم اسکا سمجھتے ہیں ہم!
محبّت کی تشریح بے شک یہی ہے، یونہی ہم کو ضبطِ وفا ہو گیا!

محبّت کی قسمت میں رسوائیاں جو لکھی ہیں، مفر اُن سے ممکن نہیں!
کہ جو لفظ نِکلا ہماری زباں سے وہ اک بے تکلّف گِلا ہو گیا!

یونہی اُن کو میں دیکھا کرتا تھا، میری نگاہوں کا مفہوم کچھ بھی نہ تھا!
مگر دیکھتے دیکھتے ہی عدمؔ اُنکی اُلفت میں دل مبتلا ہو گیا

طوفانِ حوادث میں ساقی! کچھ لمحے شان سے جی جاؤں ! !

ہاں! عشق کی تلخی سہہ جاؤں، ہاں موت کا ساغر پی جاؤں

اِک روز تو رازِ عشق مرا ہو جائے گا رسوا اے ہمدم !

تا چند میں آہیں ضبط کروں، تا چند میں آنسو پی جاؤں ! !

مایوس تو ہوں میں جینے سے لیکن یہ خیال ہے لوگوں کا !

تم آؤ تو شاید جی اٹھوں، تم آؤ تو شاید جی جاؤں !

اے کاش میں اُس شب مرجاتا، جب اس نے کہا تھا رو رو کر

یہ زہر کا ساغر تم نہ پیو، لاؤ میں اسے خود پی جاؤں !

اِس جور و جفا کی بستی میں آیا تھا میں اس مقصد کے لئے

کچھ غم کے تھپیڑے کھا جاؤں، کچھ زہر کے ساغر پی جاؤں!



ہوش کھو دیتا ہوں، اور وجد میں آجاتا ہوں !
وسعتِ حسنِ تصور میں سما جاتا ہوں !

ڈوب جاتا ہوں خیالات کی گہری رَو میں
اور کسی دوسرے عالم میں چلا جاتا ہوں !

چاندنی راتوں میں وہ ان کی ملاقات کا کیف
رخصت اے ہوش کہ بے ہوش ہُوا جاتا ہوں

بے حقیقت نظر آنے لگے شکوے اپنے
تیری گفتار کے دھارے پہ بہا جاتا ہوں !

آہ! انسان ہوں پھنس جاتا ہوں باتوں میں مگر
چوٹ لگتی ہے تو پھر ہوش میں آجاتا ہوں !

نبضِ کونین پہ انگلی تو ذرا رکھنا عدمؔ !
دنیا بُجھتی ہے کہ میں آپ بجھا جاتا ہوں

ہوں پشیمان پہ اتنا بھی پشیمان نہیں
ٹوٹنا سحرِ تمنّا کا کچھ آسان نہیں !

میری مغموم خموشی پہ ہے یوں قہقہہ زن
جیسے اُس کے لئے غم کا کوئی امکان نہیں

یونہی مل جاتا ہے اکثر سرِ راہے اے دوست !
درد، وہ درد کہ جس کا کوئی درمان نہیں !

کس کو سمجھانے لگے آپ جنابِ ناصح
میں تو ناداں ہوں مگر آپ تو ناداں نہیں

مدعیِ معرفتِ حق کے وہ بنتے ہیں عدمؔ !
جن کو سچ پوچھو تو خود اپنی بھی پہچان نہیں

غرقِ حسرت ہوں کبھی غرقِ تمنّا ہوں میں
اپنے اوہام و خیالات کی دُنیا ہوں میں !

چند سانسوں کے تسلسل سے ہے رونق ہماری
چند لمحوں کا دل آویز تماشا ہوں میں

میری حیرت کے تماشائی ! ذرا ہوش میں آ !
اپنے پندار کا بگڑا ہوا نقشا ہوں میں !

یوں بھی ہوتا ہے کبھی ذوقِ تجسّس کا مآل
خود کو کھو بیٹھا ہوں اور ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں !

تم روایاتِ محبت کے پجاری ہو فقط !
دِل کو خوں کر کے بس اک تماشا سمجھا ہوں میں

ہے یہ اندازِ تغافل تو قیامت ہو گی !
کیا کریگا وہ جسے تم سے محبت ہو گی ! !

اس سے پہلے کہ کہوں کچھ بھی وہ بول اٹھتے ہیں
آپ کو مجھ سے پھر اب کوئی شکایت ہو گی !

جینا مشکل ہو تو ہو جاتا ہے مرنا آساں !
سخت جانی مری اک دن نہ سلامت ہو گی !

لوگ کہتے ہیں مجھے تم سے محبت ہے مگر
تم جو کہتے ہو کہ وحشت ہے تو وحشت ہو گی !

موت آئیگی اُسی وقت ہمیشہ کمبخت
مجھ کو جس وقت کہ مرنے کی نہ فرصت ہو گی

ایک اُمید جسے دیکھے تھی سرمایۂ زیست !
ہائے اب وہ بھی تو تم سے عبارت ہو گی ! !

اضداد کی آویزش، یہ فطرتِ دنیا ہے!
ساحل سے ہر اک طوفاں ٹکرا کے گزرتا ہے

جلوے کی حقیقت ہم، معلوم کریں کس سے
جو اہلِ نظر ہے وہ، حیرانِ تماشا ہے!!

دیوانے گذشتہ اور آئندہ کو کیا جانیں!
اس حال سے وابستہ دیروز نہ فردا ہے

قانونِ مسلّم بھی گر جاتے ہیں نظروں سے!
معیارِ حقائق اک سلجھا ہوا دھوکا ہے!

محویّت و سرشاری، مدہوشی و بےخبری
نادان تماشائی! تو آپ تماشا ہے!

طغیانیٔ غم دل میں اور ضبطِ فغاں، تو بہ!
نادان عدم! شاید جل بجھنے کا سودا ہے

محسوس ہو رہا ہے، دل میں کوئی خلا ہے!
کس حادثے کی میرے اللہ! ابتدا ہے!

کہتے ہیں لوگ، مَیں کچھ دیوانہ ہو گیا ہوں!
کچھ تم کو بھی خبر ہے، یہ کیا معاملا ہے!

جیسی گذر رہی ہے، اچھی گذر رہی ہے!
بس آپ کا کرم ہے، بس آپ کی دعا ہے!

کتنا حسین ہے ناصح! وہ کافرِ خود آرا!
ہے بے وفا تو پھر کیا، دنیا ہی بے وفا ہے

شکوہ ہے اک جہاں سے، اُن کو مرے جنوں کا
دیوانگی بھی جیسے، کوئی مری خطا ہے!

کہتے ہیں وہ، عدمؔ کو کیوں ہم سے ہے محبت
کتنی حسین شکایت، کتنا حسین گلا ہے

کل جو غم آشنا تھا دل، آج بھی وہ فگار ہے!
گردشِ روزگار تھی، گردشِ روزگار ہے!

غرق ہو کس خیال میں، گُم ہو کس احتمال میں
لذّتِ اعتبار ہی حاصلِ اعتبار ہے!

ہمّتِ عشق دیکھ کر، جرأتِ عشق دیکھ کر
عقل بھی شرمسار ہے، موت بھی شرمسار ہے

عقل ہے اور حکایتیں، عشق ہے اور جرأتیں
عقل ہے اور فلسفہ، عشق ہے اور دار ہے

یونہی نہیں یہ بے رخی، یونہی نہیں یہ کج روی
جانتا ہوں، تمہیں مرے عشق کا اعتبار ہے

جب سے جدا ہوئے ہیں ہم، ناظرِؔ جاں نواز سے
دل بھی اداس ہے عدمؔ روح بھی بیقرار ہے

[illegible]

تو مجھ کو دیکھتا ہے! خلق کو سودا نہ ہو جائے
مری توقیر ہے! تو آپ بھی رسوا نہ ہو جائے

کہوں کیا، میں تمہاری بدگماں فطرت سے ڈرتا ہوں
کہ لب کھلتے ہی کوئی بدظنی پیدا نہ ہو جائے

خرد میں اور وحشت میں، ذرا سا فرق ہے ورنہ
ذرا سی دیر میں انسان یوں دیوانہ ہو جائے

بہانہ چاہیے کچھ عشق کو بندہ نوازی کا!
میں ڈرتا ہوں کہ مجھ پر ہی کرمفرما نہ ہو جائے

مری دیوانگی پر ہنسنے والے پوچھتا ہوں میں
اگر ہو اتفاق ایسا کہ تو دیوانہ ہو جائے؛

محبت، آہ! بہتر تو یہی تھا، راز ہی رہتی
مگر افسانہ بنتی ہے تو پھر افسانہ ہو جائے

مجھے دیکھو، مگر اتنا نہ دیکھو، مدعا یہ ہے!
کہ ناحق یونہی امکانِ جنوں پیدا نہ ہو جائے

مرتب کیجیے کوئی فریبِ کامیاب ایسا!
عدم جس کی دل آویزی سے پھر دیوانہ ہو جائے

وہ آتے ہیں تو دل میں کچھ خلش معلوم ہوتی ہے
میں ڈرتا ہوں کہیں اسکو محبت تو نہیں کہتے

وقارِ عشق پروانوں کی جانبازی سے قائم ہے
جوانمردی کو اہلِ ہوش وحشت تو نہیں کہتے

سفینہ غرق ہے، ملاح نذرِ موجِ دریا ہے!
مرے مولا اسے طوفانِ رحمت تو نہیں کہتے

دگرگوں اسقدر اب دل کی حالت ہوتی جاتی ہے
مری ہر سانس روداد محبت ہوتی جاتی ہے

اب اس کو عشق کی تمہید سمجھو یا جنوں سمجھو!
مجھے کچھ خود فراموشی کی عادت ہوتی جاتی ہے!

محبت کی کوئی حد ہے وفا کا کچھ ٹھکانہ ہے
کہ انکی جو رضا ہے میری قسمت ہوتی جاتی ہے

فریب دوستی بھی آپ قائم رکھ نہیں سکتے!
یہاں تک خاکساروں سے عداوت ہوتی جاتی ہے

گہر کی جستجو میں غوطہ زن ہو گہرے پانی میں
نوائے روحِ شاعر جذب ہوتی ہے معانی میں!

ریاضت چیز تو اچھی ہے لیکن حضرتِ زاہد
یہ بے موسم سی شے معلوم ہوتی ہے جوانی میں!

غلط انداز نظروں سے نہ دیکھو دردمندوں کو!
خلل آجائیگا ان بیکسوں کی زندگانی میں

جگر زخمی، دل شکستہ، چشم تر، چہرہ غم آلودہ!!
یونہی ہوتا ہے اکثر حادثاتِ ناگہانی میں!

ہماری ذات سے بیزار ہو تم خیر بہتر ہے
ہمارے درپئے آزار ہو تم خیر بہتر ہے

محبت سے کسی آشفتہ دل کو آشنا کر کے
محبت سے بہت بیزار ہو تم خیر بہتر ہے

غمِ الفت کو مستحکم بنادے مہرباں ہوکر !   بڑا مسرور ہے دل بے نیازِ دوجہاں ہوکر

کمالِ ضبط پر بھی ضبط کا انجام یہ نکلا   کہ صورت رہ گئی جذباتِ دل کی ترجماں ہوکر

نظامِ عقل شاید فطرتِ دل کے منافی تھا   کہ دل میں بس گیا ہے عشق، دل کا پاسباں ہوکر

خرد کے روزافزوں وسوسوں کی مہربانی سے   مری ہستی نہ رہ جائے کہیں وہم وگماں ہوکر!

اشعار

کسی کے سامنے جب شوق کی تفسیر کرتا ہوں   بہت بہکی ہوئی بے ربط سی تقریر کرتا ہوں

خلوصِ ظاہری بھی اہلِ دنیا سے غنیمت ہے   فریبِ دوستی کی بھی بہت توقیر کرتا ہوں!

جو ہوں ناخدا بھی ڈبویا یاس نے بیڑا   سفینے کو تو کرتا ہی فنا طوفان دریا کا

جو ڈوبے، ڈوب کر اک بار پھر زندہ نہیں اُبھرے   کسی سے پوچھتے کچھ حال ورنہ قعرِ دریا کا

بڑا افسوس ہے حائل رہیں گر اتفاق ایسے   بڑی مشکل ہے ہر تدبیر اگر تقدیر ہو جائے!

خدا کا نام لے کر اے عدمؔ لڑجاؤ قسمت سے   کہ شاید کامیابی کی کوئی تدبیر ہو جائے

سادہ مسرتوں کا زمانہ گذر گیا !! دل پر کھلا جو حال زمانے کا مر گیا
دلچسپ تو بہت تھا، امیدوں کا طلسم لیکن ہر اک فریب سے جی اپنا بھر گیا
کیا حادثہ ہے شیشۂ دل کی شکست بھی میخانۂ حیات کا چہرہ اتر گیا!
کچھ دل کو خوف سا ہے خدا خیر ہی کرے وہ نوجواں جو رہتا تھا چپ چپ کدھر گیا
ٹوٹا طلسمِ شوق اس انداز سے عدم شیرازۂ جہانِ تمنّا بکھر گیا

بیٹھا ہوں دل میں محشرِ پنہاں لیے ہوئے آتش مزاج عشق کا طول قال لیے ہوئے!
تحلیل ہو گیا ہے محبت کی آنچ میں کوئی غریب نذرِ دل و جاں لیے ہوئے!
پہنچیگا عشق آپکی خدمت میں ایکدن احوالِ دلگدازِ غریباں لیے ہوئے!
جانبازِ عشق دار پہ لہرا کے چڑھ گیا لوٹ آئی عقل دیدۂ حیراں لیے ہوئے
حیراں کھڑا ہے کاتبِ اعمال حشر میں میرا "نگارخانۂ عصیاں" لیے ہوئے

دل بجھ گیا ہے سوزِ طبیعت کو کیا ہوا
جذباتِ آتشیں کی حرارت کو کیا ہوا

سوہانِ روح بن گئیں تنہا شناسیاں !
اللہ! سادگیٔ طبیعت کو کیا ہوا !

مانا نگاہِ شوق کو دھوکا ہوا ' مگر !
کمبخت دل کی تیز بصارت کو کیا ہوا

تقدیر ہنس رہی ہے کسی نامراد پر !
تدبیر کی جسارت و ہمت کو کیا ہوا

بدظن ہوں گو دعا سے یقینِ دعا بھی ہے
کہتے سنا ہے لوگوں کو میں نے خدا بھی ہے !

تم نے نگاہ کی تو مجھے عشق ہو گیا
میرا قصور ہے تو تمہاری خطا بھی ہے

پوچھا جو ان سے کیوں ہے تمہیں عشق سے گریز
کہنے لگے کہ عشق میں شرطِ وفا بھی ہے !

کچھ بدنصیبیوں کے عدم باتفاق ہیں
شامل کچھ اُن میں ایک جواں کی دعا بھی ہے

الفت بھری نگاہ کے ایما کو کیا کروں ڈرتا ہوں اس عنایتِ بیجا کو کیا کروں !

ہر حادثہ شدید ہے، ہر اتفاق تلخ !! اے دوست! اپنی قسمتِ رسوا کو کیا کروں

ہاں! بار بار دیکھنے سے ڈر ہے عشق کا ! لیکن میں اپنے ذوقِ تماشا کو کیا کروں

طوفاں پسند دل کی طرف ہے نگہ ہنوز دریا چڑھاؤ پہ ہے تو دریا کو کیا کروں !

اب ہوں میں اپنے ذوقِ یقیں سے بھی بدگماں اب میں تمہارے وعدۂ فردا کو کیا کروں

اُن کی نگاہِ لطف کا رخ بھی ہے کوئی چیز بیباک دل کی جرأتِ تنہا کو کیا کروں

کردے نہ بیدلی کہیں مرگ آشنا مجھے دینا پھر اک فریبِ حقیقت نما مجھے

ہاں جانتا ہوں عشق نہیں ہے یہ موت ہے پر کیا کروں کہ مل گیا ذوقِ فنا مجھے

اِک سادہ لوح سے تھا مناسب یہی سلوک اُس حیلہ ساز سے ہو بھلا کیا گلا مجھے !

اللہ! دل کا بڑھتا ہوا کیفِ بے حسی کردے نہ ایک دن کہیں مرگ آشنا مجھے !

ترکِ اُمید و ترکِ تمنا کروں عدم ! سوچا تو تھا، ہوا نہ مگر حوصلا مجھے !

لازم ہے دوستی میں خیال احتیاط کا! بیگانگیٔ مآل نہ ہو ارتباط کا!
ہنستے ہو ہم کو جان سے بیزار دیکھ کر یہ کونسا محل ہے بھلا انبساط کا!
دل پر محیط ہو کے تمہاری نگاہ نے اندازہ کر لیا ہے ہماری بساط کا
بے خوف کاروبارِ محبت کئے چلو کیا ان معاملات میں کام احتیاط کا!
کیا ہو گیا ہے ردِّ عمل کے اصول کو کوئی ٹھکانہ بھی ہے مرے انحطاط کا!
رنج و خوشی کو کر دیا مخلوط اے عدمؔ اور زیست نام رکھ دیا اس اختلاط کا!

تم ہو ہوس پرست کہ ہم دیکھا جائے گا! الفت شعار دل کی قسم دیکھا جائے گا
پہلے مری نگاہ کو کچھ کہہ کے آنکھ سے کرتے ہو اب نگاہ سے رم دیکھا جائیگا
اُن کا تبسم اور نظر کس غرور سے یہ کہہ رہے ہیں دل کے بہم دیکھا جائیگا!
ہوتے ہو طعنہ زن مری وحشت پہ آپ ہی خود دے کے مجھ کو عشق کا غم دیکھا جائیگا!
کس طرح اس کی بزم میں تم آج ہی کبھی جانتے نہیں جناب عدمؔ! دیکھا جائیگا!

آسان کبھی نباہ مگر اب محال ہے!
وہ بھی مرا خیال تھا، یہ بھی خیال ہے!

کتنی اُداس ہے مرے اللہ! زندگی!
کیا دلشکن یہ سلسلۂ ماہ و سال ہے!

ہو میرے دشمنوں کو جنونِ عشق کا مگر!!
دل میں کسی فتور کا کچھ احتمال ہے!!

دامِ امید سے ہو رہا کس طرح بشر!
دلدادۂ مسرتِ خواب و خیال ہے!

مل بیٹھیں آؤ پھر مرے بچھڑے ہوئے غمو!
دم توڑتی امیدوں کا جینا محال ہے!

یہ مدعا نہیں کہ نہیں تم پر اعتماد!
ہاں اک ذرا سی لغزشِ وہم و خیال ہے

کس کس پہ اے ندیم! توجہ کریگا تو!!
سارا جہان میری طرح پائمال ہے

گر بس چلے تو عشق کا غم اسکو سونپ دوں
اور مسکرا کے پوچھوں کہو کیسا حال ہے!

ہے شمع اشکبارِ عدم! رات ہے اُداس!
دل مضمحل ہے اور طبیعت نڈھال ہے

دل ہے زندہ بس اسکی خیر مناؤ
رنج ہو یا خوشی غنیمت ہے

ہے توجہ کا یہ بھی اک انداز!
بے رخی ہی سہی غنیمت ہے

خبطِ اظہارِ مدّعا نہ ہُوا !! — ایک دلکش گناہ تھا، نہ ہُوا

دے رہے تھے وہ پھر فریبِ نظر — میں مگر اُن کا ہمنوا نہ ہُوا

اِتّصالِ نگاہ سے پیدا — کیا المناک سانحہ نہ ہُوا

عشق پر وہ یقیں نہیں کرتے — عشق بھی گویا اک بہانہ ہُوا

چُن لیا جادہ عشق نے اپنا — عقل سے کوئی فیصلہ نہ ہُوا

ہے کسی کے کرم کی یہ تفسیر — شُکر ہے آدمی خدا نہ ہُوا

مانگ بیٹھے تھے ہم دعا اک دن — پھر کبھی ایسا حوصلہ نہ ہُوا

ترکِ اُمیّد و آرزو معلوم ! — یہ جنوں دل کو کچھ نیا نہ ہُوا

اُن سے اک رسم و راہِ اُلفت تھی — لیکن اس بات کو زمانہ ہُوا !

کیا یہ اچھا جو دوستی رہتی ! — خیر! جو کچھ ہُوا، بُرا نہ ہُوا

آ گئے کیا کچھ ہُوا تھا حسبِ مُراد — آج اگر حسبِ مدعا نہ ہُوا

اپنے معیار کا عدم دل ہیں ! — ایک سجدہ تھا جو ادا نہ ہُوا !

اک بیخودی ہوش ربا چھائی ہے دل پر　　جذبات کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے دل پر

تعبیر نہ کر موت سے دیوانوں کی چُپ کو!!　　خاموشیٔ تسلیم و رضا چھائی ہے دِل پر

یہ روح کی گہرائی میں کیا راگ چھڑا ہے　　یہ گونج سی کیا میرے خدا! چھائی ہے دل پر

یکسوئی کا عالم ہے کہ عرفان کا عالم!!　　محویّتِ الہام نما چھائی ہے دِل پر!

مدہوش فضا چاندنی رات اور لبِ جو!!　　اک مستیٔ اندوہ ربا چھائی ہے دل پر

مکافاتِ عمل سے آشنا ہوں!!　　مگر جذبات میں گم ہو گیا ہوں!!

مِرے دل کو نہ جانے کیا ہوا ہے　　کہ تم کو بے محابا دیکھتا ہوں!

یہ دلبر داشتگی کی انتہا ہے!　　گماں ہوتا ہے شاید مر گیا ہوں!

نہیں ہے عشق بھی آزاد مذہب　　کہ میں پابندِ تسلیم و رضا ہوں!

جوانی ہو چکی ہے ختم شاید!

گناہوں سے جو میں اکتا گیا ہوں

اشعار

مجبوریوں پہ اشک بہانا کبھی کبھی
جو ہو سکے اور کیا ہے مرے اختیار میں !

امّیدِ بازیافت نہیں کوئے عشق سے
اے عقل! اپنی راہ میں دکھا نہ کر مجھے

گم ہو کے اپنی ذات میں دنیا کو چھوڑ دوں
چل جائے یہ فریب تو کیا چاہیئے مجھے !

ڈوبے ہیں اپنی دُھن میں اسیرانِ معرفت
لیکن خدا فریبِ خدا بن کے رہ گیا

جانے کدھر کو کھینچے لئے جا رہا ہے شوق
آگاہیٔ معاملۂ دلربا نہیں !

جھوٹی تسلّیوں پہ بھی جی لینگے ہم مگر
خود مسکرا کے شرحِ فریبِ وفا نہ کر!

تم کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح نے
خود کو تمہاری چاہ میں یکسر مٹا دیا !

کیوں وضع سے ہٹیں کہ اجل ناگزیر ہے
غم اُس نے ہم کو ضبط سے گر کچھ سوا دیا !

کیا دیکھتے ہو منہ مرا احوال پُوچھ کر
کیا مجھ سے کوئی سجدۂ شکرانہ چاہیئے

ہم چُپ تھے اُس نے چھیڑ کے پھر کل کا تذکرہ
دِل کو حریصِ لذّتِ تکرار کر دیا ! !!

صدائے دل کسی بیدرد کو پسند نہیں!
مذاق اتنا جہاں کا ابھی بلند نہیں

خریدتے ہیں زمانے کا غم خرد والے
وہ خوش نصیب ہیں کتنے جو ہوشمند نہیں!

تو بندگی پہ نہ عائد کرا تنے سخت قیود!
کہ کوئی کہہ دے مجھے بندگی پسند نہیں

خود اپنے طنز کی لذت بھی مٹ گئی غم سے
ہوئے چپ ایسے کہ اب تاب زہر خند نہیں

بشر خود اپنی نگاہوں سے بھی عدم گر جائے
جہاں میں اس سے زیادہ کوئی گزند نہیں!

ازل سے درد یہ دل ہوں جنوں بسر ہوں میں
کہ اک غریب محبت زدہ بشر ہوں میں!

ترے خیال میں گم ہو گیا ہے میرا وجود!
مجھے کچھ اپنی خبر کیوں نہیں اگر ہوں میں!

یہ کیا سمجھ کے غم عشق دے رہے ہو مجھے؟
یہ کس نے تم سے کہا صاحب جگر ہوں میں!

ہر ایک سانس ہے تشریح درد دل صد حیف!
خود اپنے عشق کی رسوائیوں کا گھر ہوں میں!

ازل سے ضامن گردش ہے زندگی میری!!

یم حیات کا چھوٹا سا اک بھنور ہوں میں!

خنک ہوا ہے، شب ماہ ہے، جوانی ہے! حیات کیا ہے؟ اک احساسِ شادمانی ہے
بہشت کیا ہے؟ اک اُمید، دلربا امید! امید کیا ہے؟ خیالات کی جوانی ہے!
حدودِ ضبط میں ہیں تا ہنوز زیست کے غم خُدا کا شکر ہے، دُنیا کی مہربانی ہے!
یہ روزمرّہ کے کچھ واقعاتِ شادی و غم مرے خدا! یہی انساں کی زندگانی ہے!
بہ فیضِ زندہ دلی ہے نشاطِ زندہ دلی عدمؔ! شباب کا احساس ہی جوانی ہے

جو موت عشق کا حاصل ہے، اس کو کیا کہیے! فنا سے کیجیے تعبیر یا بقا کہیے!
یہ دردِ عشق کا آغازِ ناگہاں؟ کیا خوب! اس اتفاق کو قسمت کا فیصلا کہیے!
مزاج اپنا بھلا کیا بتائیں دیوانے کچھ آپ اپنی طبیعت کا ماجرا کہیے!
وہ ایک درد سا جو دل میں ہوتا رہتا ہے سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اسکو کیا کہیے!
شبابِ کافر و مسلک شکن کی دنیا میں! روا ہے جب بتِ رعنا کو بھی خدا کہیے
پگھلنا شمع کا دیکھا ہے بارہا لیکن عدمؔ کی سوختہ جانی کا حال کیا کہیے!

جفا کا لطف بہ اندازۂ وفا نہ ملا !
ترے جہاں میں تو مرنے کا بھی مزا نہ ملا

نہ دل سے محو ہوئی آرزو نہ بر آئی
ستم ظریفیٔ فطرت کا مدعا نہ ملا !

کوئی ٹھکانہ ہے دنیا ترے حوادث کا
کہ خود کو ڈھونڈنے نکلے مگر پتا نہ ملا !

جنوں سوار تھا سر پہ کہ پاؤں توڑ آئے
کچھ اپنی منزلِ موہوم کا پتا نہ ملا !

جنابِ شیخ ! یہ کیا ماجرا ہوا آخر !
سنا ہے آپ کو کعبہ میں بھی خدا نہ ملا !

ابھی تو شکوۂ نارسائیٔ بشر ہے عدم !
ابھی یہ کس طرح کہہ دیں ہمیں خدا نہ ملا

اشعار

گرے نہ سجدے میں انسان بیدلی سے کبھی
اگر گرے تو سراپا نماز ہو جائے !

تری نگاہ کی گردش پہ ہے ہنوز نظر !
علاجِ گردشِ لیل و نہار کر لونگا !

اٹھی تھی موت کہ چھا جائے بزمِ ہستی پہ
ذرا سا طیش مگر آ گیا جوانی کو !

وہ ہم کو دیکھ کر آنکھوں میں مسکرا سے دیئے
ادائے پرسشِ حالِ تباہ خوب رہی !

سمارہا ہے کوئی خود بخود مرے دل میں — سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ ماجرا کیا ہے

کسی کے دل کی حقیقت کو جاننے کیلئے — نگاہ والوں کی بس اک نگاہ کافی ہے

دُکھے دلوں کو نہ اس طرح پائمال کرو ! — کبھی ہماری محبّت کا بھی خیال کرو

کہا ہے تم نے محبت ہے اختلالِ حواس — تو کچھ علاجِ پریشانیٔ خیال کرو

ہر ایک علم کا انجام ہے یہاں حیرت — ہر آگہی کی حقیقت سے آشنا ہوں میں

کسی کے در پہ گئے بارہا جوانی میں — امید و بیم سے لبریز لطف تھا سجدے

مری حسین امیدوں کا اختتام تو دیکھ — یہ اور بات ہے انجام انکا حسرت ہے

جو دل پہ گذرتی رہتی ہے وہ دل پہ گذرتی رہنے دے — یہ راز کی باتیں ہیں نادان ان باتوں کی تشہیر نہ کر

یہ اعتبار کرلیا ہے کس فریب کار پر — کہ بار بار ہنس رہا ہوں اپنے اعتبار پر !

تری کھوٹی دنیا میں دنیا کے والی — بس اک چیز یعنی محبت کھری ہے

نہیں آہ بھرنے کو بھی چاہتا جی !! — فسردہ دلی سی فسردہ دلی ہے

اجل تو اِک اتفاق ہے! اتفاق کا کچھ گلا نہیں ہے!
وگرنہ جو ذی حیات ہیں اُن کی جستجو کو فنا نہیں ہے

حوادثِ روزگار دیکھیں ابھی دکھاتے ہیں اور کیا کیا
ابھی تو اتنا سمجھ میں آیا ہے بیکسوں کا خدا نہیں ہے

یہ نشۂ قوّتِ عمل ہے کہ سرکشی کی نوازشیں ہیں!
دعا سے یوں بے نیاز ہے دل کہ جیسے دستِ دعا نہیں ہے

اُٹھ! اے دلِ خستہ اپنی رگ رگ میں برقِ قوّت کو مرتعش کر
سوائے اپنے جہاں میں کوئی کسی کا مشکلکشا نہیں ہے

دکھے ہوئے دل کی التجا پہ دعا کو پھر ہاتھ اٹھا رہا ہوں!
فریبِ امید کھا کے تقدیر کو تماشا دکھا رہا ہوں!

تری نظر میں جھلک ہے الطاف کی مگر دل دھڑک رہا ہے
کہ میں نظرہائے مہر پرور کی گردشیں دیکھتا رہا ہوں!

ہر ایک تحریر میں ہے ترمیم کی ضرورت برائے حاجت
نوشتِ قسمت کو حسنِ کوشش سے حسبِ خواہش بنا رہا ہوں

میں اس لیے راستہ نہیں پوچھتا کہ منزل سے بے خبر ہوں
یونہی ذرا سادہ لوحیٔ راہبر سے اک لطف اٹھا رہا ہوں!



نگاہ اندوہناک، چہرہ اداس، دل بیقرار کیوں ہے !!

خبر نہیں اسقدر فراوانیٔ غمِ روزگار کیوں ہے !!

وفا شعاروں پر، او جفا کیش! بے دریغ اور بے محابا!

عنایتِ جانگداز کیوں ہے، نوازشِ دلفگار کیوں ہے

مری خموشی نہیں ہے تسکینِ دل کی آئینہ دار ہمدم !!

میں دم بخود ہوں کہ زندگی ایک ذلّتِ ناگوار کیوں ہے

کبھی کبھی لب پہ آ ہی جاتا ہے آہ کے ساتھ نام تیرا !

خبر نہیں تیرا ذکر ٹوٹے ہوئے دلوں کا قرار کیوں ہے !

یہ زندگی خود بہت بڑا غم ہے، اے غمِ عشق دینے والے

یہ دردمندوں کے حال ہی پر نوازشِ بے شمار کیوں ہے

کہو عدم ! دل کا حال کیا ہے یہ کیسی چپ تم کو لگ گئی ہے

یہ ہر گھڑی آہ! آہ! اور بات بات میں اختصار کیوں ہے

راقم الحروف محمد یوسف
راولپنڈی